www.urducouncil.nic.in

نومبر 2016، قیمت:- ₹10/

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا

دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سیمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

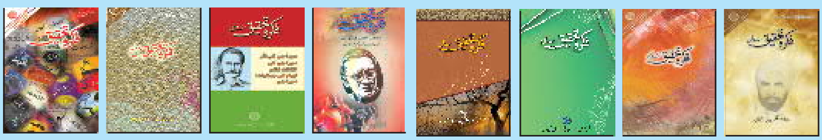

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد:4 شمارہ:11 نومبر 2016

مدیر: پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 22-7-110، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضمون	کوشش	سید ضیاء الحسن	07
یوم اطفال	بچوں کا دن	محمد زاہد	09
نظمیں	بچوں کی دعا	مناظر عاشق ہرگانوی	11
	پکنک	احمد وصی	12
	عہد بچپن	جلال الدین خاں نظر	13
	دولت علم	اشفاق کارنجوی	14
	مولانا ابوالکلام آزاد	ابرار احمد	15
کہانی	سب سے بڑی طاقت	عطیہ بی	19
مضمون	شہد کی مکھی	شمس الاسلام فاروقی	22
سیر کر دنیا کی	سالار جنگ میوزیم کے عجائب	رضاء الرحمن	24
نظم	علم و حکمت	عمران ثانی بلڈوانوی	27
کہانیاں	دوسری دوڑ	محمد اطہر مسعود خاں	28
	نقو، پیڑ اور کالا دیو	محمد سراج عظیم	31
نظمیں	دیوالی	احمد امام	34
	ترانۂ اردو	نیاز جے راجپوری	35
کہانیاں	کسان اور مرغا	نکہت فاطمہ	36
	ناکامیابی: کامیابی کا پہلا زینہ	شمس الدین شمس	39
قسط وار داستان	قصہ حاتم طائی	حیدر بخش حیدری	41
کہکشاں	چمن چمن کے پھول		50
	اچھی باتیں	شیخ عظمیٰ حنیف	51
	علم و دولت	محمد ثاقب منیار	51
	انمول باتیں	طربیہ حیات	52
	کیا آپ جانتے ہیں؟	محمد نذیر یوسف	52
	پہیلیاں: بوجھو تو جانیں	محمد طاہر صدیقی	53
	ہنسی کے غبارے		55
ننھے فنکار	علم کی دھار تیز کرو	شہلا مصباح رشید	56
	حقیقی خوشی	سحر اسعد اسعد اعظمی	57
	والدہ ایک نعمت	فاطمۃ النسا	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! نومبر کا شمارہ حاضر ہے۔ اسی مہینے کی 14 تاریخ کو پنڈت جواہر لعل نہرو کا جنم ہوا تھا۔ اب ان کی تاریخ پیدائش کو پورے ملک میں یوم اطفال کے طور پر منایا جاتا ہے اور اس موقعے پر مختلف تقریبات کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

ہمارے ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو (پیدائش: 14 نومبر 1889، وفات: 27 مئی 1964) کو بچے 'چاچا نہرو' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور بچوں کی تعلیم و تربیت پر ان کی خاص توجہ تھی۔

اسی ماہ میں مولانا ابوالکلام آزاد (پیدائش: 11 نومبر 1888، وفات: 22 فروری 1958) جیسی عظیم شخصیت کا جنم ہوا جو نہ صرف ایک عظیم سیاست داں، صحافی، خطیب اور ادیب بھی تھے بلکہ ایک ایسے مجاہد آزادی تھے جن کی جوشیلی تقریروں اور تحریروں سے انگریز حکومت پر سکتہ سا طاری ہو جاتا تھا۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف کھل کر لکھا جس کی وجہ سے ان کے اخبارات پر پابندی بھی عائد کی گئی۔ لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور ملک کی آزادی کے لیے آخری دم تک لڑتے رہے۔

پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور ان جیسی دیگر بزرگ شخصیات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں کہ انھوں نے مشکل حالات میں بھی ہمت نہیں ہاری اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ہمارے ان بزرگوں کے سامنے عظیم مقاصد تھے اور انھوں نے اپنی زندگی کا ایک لائحہ عمل مرتب کر لیا تھا۔ ہمیں ان کی زندگی سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

پیارے بچو! آپ نہ صرف ان کی زندگیوں کا مطالعہ کریں بلکہ ان سے تحریک حاصل کر کے اپنی زندگی کو بھی اسی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ آپ سب بھی اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کر لیں اور اپنے خوابوں میں حقیقت کا رنگ بھرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ آپ کو پتہ ہوگا بچپن کا زمانہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ یہی وہ دور ہے جب آپ اپنے ذہن میں مستقبل کا نقشہ بناتے ہیں اور اسی کے مطابق آپ کی زندگی راستے اور منزل کا انتخاب کرتی جاتی ہے۔ اس لیے آپ کو ابھی سے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہیں، کیا بننا چاہتے ہیں اس کے لیے آپ کو دو تین باتوں پر اپنے ذہن کو مرکوز رکھنا ہوگا۔ مسلسل جد و جہد، وقت کا صحیح استعمال، زندگی کا مقصد اور خود اعتمادی یہ وہ چیزیں ہیں جو آپ کو زندگی میں اپنانی ہیں پھر آپ کا مستقبل یقیناً روشن ہوگا۔ مسلسل جد و جہد اور کوشش کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے۔ خود اعتمادی زندگی میں آگے بڑھنے اور آپ کو کچھ کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ مسلسل کوشش ہی انسان کی کامیابی کی ضمانت بنتی ہے۔ اس لیے کبھی بھی محنت سے نہ گھبرائیں اور کوشش کرتے جائیں۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

'بچوں کی دنیا' کے تازہ شمارے میں چاچا نہرو اور مولانا آزاد پر تحریریں شامل کی جا رہی ہیں۔ یہ مضامین آپ کے ذہن کو نہ صرف متحرک کریں گے بلکہ آپ کو مستقبل کے خوابوں اور نئے جذبوں سے بھی سرشار کریں گے۔

پیارے بچو! 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے ادیبوں سے ملاقاتوں کا نیا سلسلہ بھی شروع کیا جائے گا اور بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں پر تبصروں کا بھی آغاز ہوگا، آپ نے بھی ادھر کوئی کتاب پڑھی ہو تو اس کے بارے میں اپنے تاثرات ہمیں لکھ بھیجیں۔ ہم ننھے فنکار کالم میں آپ کے قیمتی تاثرات ضرور شامل کریں گے!

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

بھئی واہ 'بچوں کی دنیا' کیا خوب ہے! یہ بچوں کی دنیا کاہے کو یہ تو بچوں کی جنت ہے۔ جہاں ایک سے ایک مزے دار کہانیوں، مضامین اور نظموں کے میٹھے پھل دار درخت ہیں جن کے درمیان معلومات اور دلچسپ کھلکھلا دینے والے لطائف کی نہریں رواں دواں ہیں۔

ڈاکٹر افتخار احمد، مالیگاؤں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' مسلسل مل رہا ہے۔ منفعت بخش معلوماتی مضامین اور دلچسپ کہانیوں ونظموں پر مشتمل یہ رسالہ ہر لحاظ سے عمدہ، دیدہ زیب اور قیمتی ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ چشم بددور!

وحید واجد (ایم اے)، شاہ عالم صاحب کمپاؤنڈ رائے چور

'بچوں کی دنیا' اگست 2016 موصول ہوا۔ اداریہ میں 'آپس کی باتیں' موضوع کے توسط سے حب الوطنی، جذبۂ یکجہتی، اظہارِ آزادی، آزادی کے لیے بے انتہا قربانیاں، یہ سب نکات یاد دلاتے ہیں کہ بنگال کے سراج الدولہ نے جنگِ پلاسی میں 1757 میں انگریزوں سے شکست کھائی۔ اسی جنگِ پلاسی کے بعد انگریزوں کی تجارت حکومت میں بدل گئی۔

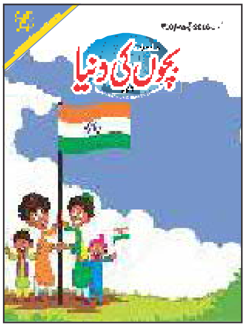

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کے قلم کار، ادب کے شہ پارے اور اشعار کے نمونے سمجھنے کے لیے قارئین کو الفاظ کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے کی ضرورت محسوس ہونے نہیں دیتے۔ ملک بھر میں ایسا معیار کسی دوسرے پرچے میں ملنا دشوار ہے کہ جس میں گیت گاتے ہوئے لفظوں کے ساتھ ساتھ رقص کرتی ہوئی رنگ برنگی تصویریں نظر آتی ہیں۔ حاجی بیگم اور بہادر شاہ ظفر، بچھو کا ناچ موت میں زندگی، عظیم سائنس داں ہرگووند کھورانا، یہودی سائنس داں کو ملک بدر کر دیا گیا، عمان ایک خوش حال ملک، معلوماتی موضوعات ہیں، سبق آموز بھی۔ نغمات میں ہمارے دیش کی تہذیب، قومی یکجہتی، ہم ہیں ہندوستانی، قومی ایکتا اور آزادی کا گیت، برسات، ایسے نغمے ہیں محسوس ہوتا ہے جیسے چمن ہند کے منچ پر دیہاتی اور شہری سبھی ہندوستانی مل جل کر بارش کے موسم میں آزادی اور خوشی کے گیت گنگنا رہے ہیں۔

خبریں دلچسپ ہیں۔ عمان کی اور ممبئی کے سیاحتی مقامات کی تصویریں من کو بھاتی ہیں۔ ننھے قلم کاروں کی کاوشات بھی خوب ہیں۔ کاوشاتِ اطفال میں مشیرہ خان جاوید خان کی تحریر 'ایک خوبصورت موتی' بے حد پسند آئی۔

اشفاق کارنجوی (ایم اے، بی ای)، تعلقہ بالاپور، ضلع آکولہ، مہاراشٹر

میں ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کی پرانی خریدار ہوں۔ ہر ماہ بہت ہی دلچسپ مضامین، کہانیاں اور نت نئے معلومات اس میں شامل رہتے ہیں۔ ہر ماہ اس کے ملنے کی منتظر رہتی ہوں۔

عائشہ بختیار، فضیلت کالونی، وارڈ نمبر 32، ضلع دربھنگہ (بہار)

'بچوں کی دنیا' بہت ہی خوب صورت ہے۔ ہمارے گھر میں یہ بہت ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ مختلف کہانیاں اور معلومات بچوں کے علم میں اضافہ کرتے ہیں۔ اللہ کرے یہ رسالہ خوب ترقی کرے اور اردو کی اسی طرح خدمت کرے۔

شہلا فرحین، واڈسہ، ضلع گڈ چیرالی (مہاراشٹر)

'بچوں کی دنیا' کا نیا شمارہ نظروں کے سامنے ہے۔ واقعی آپ کی بے لوث اردو دوستی نے اس کی نفاست اور پاکیزگی کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس ماہ نامہ کے حسن اور مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اس کے لیے آپ کی محنت اور کاوشیں قابل ستائش ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ آپ کی سرپرستی میں اسی طرح ترقی کی راہ پر گامزن رہے اور اس کی خوشبو دنیا کے کونے کونے میں پھیل جائے۔

سرفراز خان، بورگاؤں، منجو

عرض کہ 'بچوں کی دنیا' واقعی بچوں کی دنیا میں مقبول ترین رسالہ ہے۔ صوری و معنوی خوبیوں سے بھرپور اس رسالے میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ بچوں کے ساتھ اسّی سال کے بوڑھے بھی اسے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ مشمولات میں آپ معلوماتی مضامین بھی شائع کرتے ہیں، میری ناقص رائے میں معلومات ایسی ہونی چاہیے جو ہمارے تہذیبی ورثہ سے بھی جڑی ہوں۔

مختار ٹونکی، کالی پلٹن روڈ، پل محمد خان، ٹونک (راجستھان)

'بچوں کی دنیا' ہمارے قوم کے نونہالوں کے لیے مشعل راہ کا کام انجام دے رہا ہے۔ اس میں شائع کی جانے والی بیش قیمتی ادبی معلومات بچوں کے ساتھ ساتھ بڑوں کے علم میں بھی اضافہ کرتی ہیں۔

عمران ثانی بلڈانوی (مہاراشٹر)

'بچوں کی دنیا' کا میں اور میرے بچے بڑی بے صبری سے ہر ماہ انتظار کرتے ہیں۔ ویسے تو اِس رسالے کے تمام مضامین بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ مگر مجھے 'سائنس کی الف لیلہ' کے تمام مضامین بہت پسند ہیں۔ اسی طرح دیگر معلوماتی مضامین بھی اچھے ہوتے ہیں۔ بچوں کے لیے یہ رسالہ ایک معیاری مطالعہ وتفریح کا ذریعہ ہے۔

صوفی لئیق احمد، ناظر تعلیمات، ضلع پریشد اورنگ آباد مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ میں ہر ماہ کرتی ہوں۔ شاید آپ ہم سے ناراض ہیں تبھی تو میری کہانی معروف رسالے میں شائع نہیں کر رہے۔ اِس رسالے میں شائع ہونے کی میری بہت بڑی خواہش ہے۔

* ہم بھلا آپ سے کیوں ناراض ہونے لگے۔ بہت زیادہ کہانیاں جمع ہوگئی ہیں اس لیے چھپنے میں تاخیر ہوتی ہے۔ آپ کی کہانی ماہ ستمبر 2016 میں شائع ہوگئی ہے۔ (ادارہ)

روبینہ ساگر روبی، اچلپور سٹی، امراوتی، مہاراشٹر

محترم ایڈیٹر صاحب 'بچوں کی دنیا' کو جاری کرکے اردو کی خدمت کا جو بیڑہ آپ نے اٹھایا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے... اس میں صرف بچوں کے لیے ہی نہیں بلکہ بڑے لوگوں کے لیے بھی استفادے کے لیے مضامین شامل رہتے ہیں...

محمد حارث نعمانی، متعلم شعبۂ اردو، الہ آباد یونیورسٹی

سید ضیاء الحسن

کوشش

پیارے بچو! آپ کو معلوم ہوگا کہ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد (1888-1958) تھے وہ اردو زبان و ادب کے مشہور ادیب، عالم اور بڑے اچھے مقرر بھی تھے۔ انھوں نے بچوں اور نوجوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے:

''اگر تم یہ سمجھ لوگے کہ میں کمزور ہوں اور یہ کام میں نہیں کرسکوں گا۔ تو یقیناً تم نہیں کرسکو گے۔ یہاں تک کہ زمین پر گری ہوئی سوئی بھی نہیں اٹھا پاؤ گے لیکن اگر تم یہ ارادہ کرلو گے کہ میں مشکل سے مشکل کام بھی کرسکتا ہوں تو پہاڑوں کو بیچ سے کاٹ کر راستہ بنالو گے۔ کوشش اور پختہ ارادے کی بدولت تم دریاؤں کا رخ بھی موڑ دو گے۔ بس شرط صرف ہمت، ارادے اور کوشش کی ہے۔''

پیارے بچو! ذرا تم چیونٹیوں کو دیکھو کہ وہ اپنے سے کئی گنا زیادہ وزن گھسیٹ کر لے جاتی ہیں اور بلندیوں پر چڑھ جاتی ہیں۔ گرتی ہیں، پھر چڑھتی ہیں، پھر گرتی ہیں، پھر چڑھتی ہیں لیکن ہمت نہیں ہارتیں بلکہ اپنی منزل پر پہنچ کر ہی دم لیتی ہیں... یہ کوشش ہی تو ہے جو انھیں کامیاب بناتی ہے۔

بچوں کے لیے ایک بڑی اچھی اور نصیحت آمیز فارسی نظم جس کا عنوان 'کوشش' تھا نظر سے گزری اس میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جی چاہتا ہے وہ تمھیں بھی

سناؤں۔ قصہ یوں ہے کہ:

''کسی پہاڑ پر پانی کا ایک چشمہ (سوتا) پھوٹا پھر پانی نے پتھروں کے بیچ سے، جدھر ڈھال ملی، بہنا شروع کیا..... کچھ دور چلنے کے بعد ایک بہت بڑا پتھر بیچ میں آ گیا اور پانی کا راستہ بند ہوگیا۔ پانی نے بڑے ادب اور نرم زبان سے پتھر سے درخواست کی کہ ''بھائی جان! براہِ کرم مجھے ذرا سا راستہ دے دیجیے تاکہ میں کنارے سے نکل جاؤں۔''

پتھر نے جواب دیا ''چل۔ ہٹ۔ دیکھتا نہیں ہے کہ میں کتنا بڑا ہوں۔ جا۔ میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا...''

پانی، پتھر کا یہ تکبر آمیز جواب سن کر خاموش تو ہو گیا لیکن وہ آگے بڑھنے اور راستہ بنانے کی کوشش میں لگا رہا اور بہہ بہہ کر اس پتھر کے سامنے جمع ہوتا رہا اور آہستہ آہستہ وہاں اتنا پانی بھر گیا جتنا پتھر کا قد تھا پھر اس کے سر کے پاس سے کنارے کنارے نیچے بہنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پتھر کے کنارے کی مٹی کٹنے لگی اور کٹتے کٹتے اس کے کنارے کھوکھلے ہو گئے... اس کے بعد پتھر کے نیچے کی زمین بھی کمزور پڑنے لگی اور پھر ایک دن ایسا آیا کہ پتھر صاحب اپنے بھاری بھرکم جسم کو سنبھال نہ سکے اور لڑھک کر پہاڑ کے نیچے آ گئے۔''

دیکھا آپ نے کوشش کا کامیاب نتیجہ — اور — غرور کا انجام!!!۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوشش سے بڑے بڑے معرکے سر کیے جا سکتے ہیں۔

بچو! اس نظم سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں۔ پہلا یہ کہ غرور یعنی گھمنڈ بہت بری چیز ہے۔ مغرور اور گھمنڈی کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے کہ ''زمین پر اکڑ کر مت چلو اور اپنے کو بڑا مت سمجھو'' پیارے نبیؐ نے بھی تکبر کو برا بتایا ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ مغرور اور گھمنڈی جنت میں نہ جا سکے گا۔ شیخ سعدی نے کہا ہے کہ ''تکبر عزازیل را خوار کرد'' یعنی عزازیل کو جو فرشتوں کا استاد تھا اور جنت میں رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی غرور اور گھمنڈ کی بدولت اسے دھتکار کر جنت سے نکال دیا۔ اسے اب ساری دنیا ابلیس اور شیطان کے نام سے جانتی ہے — الغرض ہم کو غرور اور گھمنڈ سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔

دوسرا سبق یہ کہ 'کوشش' اور محنت سے انسان کبھی نہ گھبرائے کیونکہ اسی کی بدولت اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے اور وہ بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

پیارے بچو! اگر تم دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تمھیں پتہ چلے گا کہ معمولی معمولی شخصیتوں نے اسی محنت، لگن اور کوشش کی بدولت ایسے ایسے کارنامے انجام دیے ہیں جو تعجب خیز ہیں... گاندھی جی نے فوج اور تلوار کے بغیر 'اہنسا' کے ذریعہ انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرا لیا... کھلاڑیوں کو دیکھو وہ ہارتے بھی ہیں لیکن پریکٹس اور کوشش سے باز نہیں آتے۔ بالآخر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے... اے۔ پی۔ جے عبدالکلام سے سبق لو کہ سچی لگن اور کوشش سے ہی وہ 'میزائیل مین' بنے اور پھر ملک کے سب سے بڑے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ترقی کے لیے محنت اور کوشش ضروری ہے۔ اسی لیے شاعر تم کو یہ پیغام دیتا ہے:

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو
بڑھے جاؤ آگے مرے دوستو

■

Syed Ziaul Hasan
Baitun-Noor, Behind Madehganj
Police Post, Sitapur Road
Lucknow - UP)

محمد زاھد

بچوں کا دن

پیارے بچو! تم نے اپنے اسکول میں ٹیچرز ڈے (Teacher's Day) یعنی یوم اساتذہ اور چلڈرینس ڈے (Children's Day) یعنی یوم اطفال کے بارے میں ضرور سنا ہوگا۔ یوم اساتذہ ہندوستان کے سابق صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن کی پیدائش کا دن ہے۔ آج ہم تمھیں یوم اطفال جسے 'بچوں کا دن' بھی کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں بتاتے ہیں۔

ہندوستان کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہرلعل نہرو 14 نومبر 1889 کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے تھے۔ انھیں بچوں سے بہت پیار تھا۔ اس لیے ان کی پیدائش کی تاریخ کو 'بچوں کا دن' کے نام سے پورے ہندوستان میں جوش و خروش سے منایا جاتا ہے۔ اُس دن اسکول کے اساتذہ بچوں کو جواہرلعل کے کارنامے سناتے ہیں۔ اُن میں مٹھائیاں، کیک اور چاکلیٹ تقسیم کیے جاتے ہیں تاکہ بڑے ہوکر وہ بھی ملک کی خدمت کرسکیں۔

جواہرلعل کا خاندان کشمیری پنڈت تھا۔ ان کا اصل لقب (Title) 'کول' تھا۔ کشمیر سے کول خاندان دہلی آکر ایک نہر کے کنارے آباد ہوا تھا۔ اِسی مناسبت سے انھیں 'نہرو' کہا جانے لگا۔ دہلی سے یہ لوگ آگرہ گئے۔ آخر میں الٰہ آباد میں رہنے لگے۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں کے دور میں یہ خاندان خوش حال زندگی گزار رہا تھا۔ جواہرلعل کے دادا پنڈت گنگادھر اپنے بیٹے موتی لعل نہرو کی پیدائش سے تین ماہ قبل گزر گئے۔ موتی لعل کے دو بڑے بھائی انگریزی حکومت میں ملازم تھے۔ انھوں نے موتی لعل کو عمدہ تعلیم دلائی اور انھیں یورپ کے سفر پہ روانہ کیا۔ اُس زمانے میں ہندو سمندر کے سفر کو خراب سمجھتے تھے۔ اس لیے الٰہ آباد کے پنڈت اس خاندان سے دور رہتے تھے۔ موتی لعل کامیاب وکیل بن گئے۔ موتی لعل نے اپنے بیٹے جواہرلعل کو گھر پر اچھی تعلیم دلوائی۔ 1905 میں وہ انگلینڈ گئے اور پندرہ سال کی عمر میں جواہرلعل کا داخلہ Harooh اسکول میں کرادیا۔ 1907 میں انھوں نے کیمبرج کے انٹر یعنی بارہویں کے امتحان میں شرکت کی۔ کچھ دنوں تک وہ آئرلینڈ میں رہے۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد جواہرلعل آزادی کی جدوجہد میں شامل ہوگئے۔

جواہر لعل نہرو کو بچوں سے بہت پیار تھا۔ خود ان کے اندر بچوں کی سی عادتیں تھیں۔ وہ بہت جذباتی انسان تھے۔ شیروانی، ٹوپی اور مخصوص مسکراہٹ ان کی پہچان تھی۔ وہ روشن خیال انسان تھے۔ ذات پات سے بلند تھے۔ جدید فکر، جدید ٹکنالوجی اور نئے فلسفہ سے واقف تھے۔ وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کی قدر کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انڈین نیشنل کانگریس کے بینر تلے ہندو مسلمان سبھی جامع تھے۔ گاندھی جی، محمد علی جوہر، شوکت علی، محمد علی جناح، سبھاش چندر بوس، خان عبدالغفار خاں وغیرہ جیسے وطن پرستوں نے انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنے کی تحریک چھیڑ رکھی تھی۔ ان میں کئی لوگ اعتدال پسندی کے ساتھ احتجاج کے حامی تھے جبکہ کچھ لوگ انتہا پسندانہ نظریات کے حامل تھے۔ شروع میں جواہر لعل بال گنگادھر تلک وغیرہ کی باتوں سے متاثر ہوئے مگر بعد میں وہ گاندھی جی اور مولانا آزاد کے قریب آگئے۔ 1938 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ایک جلسہ میں شریک ہونے کے لیے جواہر لعل کلکتہ آئے اور تب ہی الہ آباد میں فرقہ وارانہ فساد ہوگیا۔ انھوں نے اپنے ساتھی پی ڈی ٹنڈن کو لکھا کہ فساد کو روکنے میں طالب علم اور نوجوان اہم کردار ادا کرسکتے ہیں۔ انھیں حالات کی نگرانی کرنے کے لیے اہم مقامات پر جمع ہونا چاہیے۔ ان کی موجودگی سے لوگوں میں خود بخود اعتماد پیدا ہوگا۔ 1942 میں جواہر لعل کو کانگریس کے دوسرے ممبروں کے ساتھ گرفتار کرکے احمد نگر کی جیل بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں تک وہ نینی تال کی جیل میں بھی بند رہے۔

یہاں سے وہ اپنی بیٹی اندرا کو خط لکھتے رہے جو اُس وقت تیرہ سال کی تھیں۔ 1947 میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو پنڈت نہرو کو وزیر اعظم بنایا گیا۔

جواہر لعل نہرو کو بچوں سے بہت پیار تھا۔ خود ان کے اندر بچوں کی سی عادتیں تھیں۔ وہ بہت جذباتی انسان تھے۔ شیروانی، ٹوپی اور مخصوص مسکراہٹ ان کی پہچان تھی۔ وہ روشن خیال انسان تھے۔ ذات پات سے بلند تھے۔ جدید فکر، جدید ٹکنالوجی اور نئے فلسفہ سے واقف تھے۔ وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کی قدر کرتے تھے۔ اردو کو اپنی مادری زبان کہتے تھے۔ 'آرام حرام ہے' یہ بات صرف وہ کہتے نہیں تھے بلکہ اس پر عمل کرکے دکھاتے تھے۔ وہ نئے ہندوستان کے بانی تھے۔ انھوں نے ترقی کے نئے منصوبے بنائے اور اس پر آگے بڑھنے کی راہ دکھائی۔ 'بچوں کا دن' اُسی عظیم ہستی کے نام منسوب ہے۔

■

Dr. Md Zahid
B-5, Prince Dilawar Jah Lane
P.O: Garden Reach
Kolkata - 700024 (West Bengal)

بچوں کی دعا

اے خدا اے خدا، اے خدا اے خدا
علم اعلیٰ کی دولت ہمیں کر عطا

کام ہم آئیں محتاج و نادار کے
کام آئیں بھی مفلس کے، بیمار کے

ہم ضعیفوں کی خدمت کچھ ایسی کریں
بیکسوں سے محبت کچھ ایسی کریں

جس سے حاصل ہو تیری خوشی اور رضا
ایسے کاموں کی توفیق تو کر عطا

ہم بڑے ہوکے خدمت کریں دیش کی
اپنی ہے آرزو اور تمنا یہی

کام ایسے کریں، نام پیدا کریں
زندگی بھر برائی سے بچتے رہیں

ہم بزرگوں، ضعیفوں کی عزت کریں
ہم سے چھوٹے جو ہیں اُن پہ شفقت کریں

ملک و ملت کی ہم اپنے دولت بنیں
اور محروموں کی اچھی قسمت بنیں

غم زدہ جو ہیں، ان کی مسرت بنیں
سارے بیماروں کی اچھی صحت بنیں

خوب محنت سے ہم علم حاصل کریں
زندگی میں صداقت کو داخل کریں

خوبیاں ذات میں اپنی شامل کریں
علم و فن میں بہت خود کو قابل کریں

ہم بڑے ہو کے طاقت ہوں کمزور کی
کام آئے ہماری انھیں زندگی

کر عطا علم کی ایسی تو روشنی
دور جس سے جہالت کریں قوم کی

اپنے ماں باپ کا سر پہ سایہ سدا
رکھ بصحت سلامت ہمارے خدا

دولت ایسی عطا کر ہمیں علم کی
دین و دنیا کی ہو کامیابی بڑی

■

Dr. Manazir Ashiq Harganvi
'Kohsaar', Bhikanpur -3,
Bhagalpur - 812001 (Bihar)

احمد وصی

پکنک

ہم اپنے گھر سے کہیں دور جانے نکلے ہیں
کسی بھی باغ میں پکنک منانے نکلے ہیں
ہنسی خوشی سے کِھلے جا رہے ہیں یاروں میں
کہ جیسے دل کے کنول کِھل گئے بہاروں میں
سب اپنے پیار کی خوشبو لٹانے نکلے ہیں
کسی بھی باغ میں پکنک منانے نکلے ہیں
مٹھائیاں بھی لیے ہیں کباب پوری بھی
کچوریاں ہیں تو چٹنی لگے ضروری بھی
ہر اک ٹفن سے مزے دار کھانے نکلے ہیں
کسی بھی باغ میں پکنک منانے نکلے ہیں
شرارتیں ہوں اور آپس میں موج مستی ہو
کوئی بھی بات چھچھوری نہ ہو، نہ سستی ہو
یہ رکھ رکھاؤ جہاں کو دکھانے نکلے ہیں
کسی بھی باغ میں پکنک منانے نکلے ہیں
یہ سب سے کہہ دیں یہاں کوئی گندگی نہ کرے
اور آس پاس کا ماحول صاف رہے
دلوں میں آج یہ جذبہ جگانے نکلے ہیں
کسی بھی باغ میں پکنک منانے نکلے ہیں
ہم آج گھر سے کہیں دور جانے نکلے ہیں

Ahmed Wasi
K 304, Andheri East, Hanjar Nagar
Pump House
Mumbai - 400093 (Maharashtra)

■ جلال الدین خاں نظر گیاوی

عہدِ بچپن

عہدِ بچپن بھی کیا حسیں شے ہے!
فکرِ فردا نہ کچھ امروز کا غم
اپنی دھن میں سدا مگن رہنا، کچھ نہ کہنا کسی سے نا سننا
مثلِ بوئے چمن ہواؤں میں، تیرتے رہنا بس فضاؤں میں
روٹھنا اور پھر بہل جانا
جھوٹے وعدوں پہ کل کے ٹل جانا
اور کسی بات پر مچل جانا
دوستی پر نکھار ہوتا ہے، دشمنوں سے بھی پیار ہوتا ہے
چھوٹی چھوٹی شکایتیں سب سے، سنتے رہنا حکایتیں سب سے
جب بلائے کوئی محبت سے، فرطِ معصومیت سے ہنس دینا
عالمِ خوف ہو کہ رنج و ملال، دامنِ عافیت میں بس جانا
عہدِ بچپن بھی کیا زمانہ ہے
قیدو بندش نہیں کسی شے کی
کون اپنا ہے کون بیگانہ

رنگ ہو ذات ہو کہ مذہب ہو، ہر سیاست رواج و رسم سے دور
اس کا بس ایک ڈھنگ ہوتا ہے، اس کا بس اک اصول ہوتا ہے
جب بھی اس کے حقوق ہوں پامال، رنگ اس کا ملول ہوتا ہے
عہدِ بچپن کا احترام کرو
دوستو! کچھ تو اہتمام کرو
آسرا اس کو دو محبت کا، ظلم اور بھوک سے بچاؤ اسے
جرم اور جھوٹ سے بچاؤ اسے
یوں اسے مفت نہ نیلام کرو، دوستو کچھ تو انتظام کرو
عہدِ بچپن جو شاد رکھو گے
قوم کو بامراد رکھو گے

■

Jalaluddin Khan Nazar Gayavi
Mohalla: Morarpur,
Gaya (Bihar)

دولتِ علم

اک سبق آپسی اخوت کا
اپنے کردار تک نہیں پہنچا
گر عمل اپنے نامہذب ہیں
علم معیار تک نہیں پہنچا

'دولتِ علم' (شیخ سعدی کی حکایت کا منظوم ترجمہ)

بھائی بھائی تھے دونوں شہزادے
مصر کی سرزمیں پہ رہتے تھے

ایک شہزادہ علم پاتا تھا
مال دوجے نے جوڑ رکھا تھا

ایک علامہ بنا، پر دوجا
مصر کا بادشاہ بن بیٹھا

بادشاہ چھیڑتا شرارت سے
دیکھتا تھا اسے حقارت سے

کہہ دیا تو غریب ہے بھائی
میری قسمت میں سلطنت آئی

بھائی علامہ اس سے فرمایا
جس کے حصے میں مال و زر آیا

''مال میراث ہے رزیلوں کی
علم میراث ہے رسولوں کی

اصل راجہ وہ بن نہیں سکتا
جو کہ خادم نہیں ہو پرجا کا

رب کی رحمت کا اُس پہ سایہ ہے
دولتِ علم جس نے پایا ہے

■

Ashfaq Karanjvi
G N Azad Urdu High School
Baregaon, Talluqa Balapur
Distt : Akola (Maharashtra)

ابرار احمد

مولانا ابوالکلام آزاد: عمر چھوٹی، کام بڑے

پ: 11 نومبر 1888، و: 22 فروری 1958

بچو! آپ سب اپنے ملک کے پہلے وزیر تعلیم بھارت رتن مولانا ابو الکلام آزاد (1888-1958) کے نام سے واقف ہوں گے۔ وہ بہت بڑے سیاسی رہ نما اور ممتاز ماہر تعلیم تھے۔ وہ ادیب، شاعر، مصنف، مقرر، صحافی، مفسر سب کچھ تھے۔انھوں نے آزادی کی لڑائی میں گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔میں یہاں ان کے کارناموں اور قربانیوں کے تعلق سے بات نہیں کرنا چاہتا، بلکہ ان کی کم عمری کے کچھ بڑے کاموں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ان کا بچپن اور نو عمری کا زمانہ عام بچوں کی طرح بے کار کاموں میں گزرا ہوگا، بس مدرسہ اور اسکول کی واجبی تعلیم تک محدود رہے ہوں گے اور بڑے ہونے کے بعد ہی قلم کتاب سے رشتہ قائم کیا ہوگا۔نہیں! وہ بچپن سے ہی بہت ذہین تھے اور دس سال کی عمر میں ہی مضمون لکھنے لگے تھے۔ وہ بچپن میں صرف ابوالکلام محی الدین تھے، مگر اپنی تقریر وتحریر کی وجہ سے بہت جلد مولانا آزاد کے نام سے جانے اور پہچانے جانے لگے۔

عام لوگوں کا بچپن اور دس پندرہ سال تک کی عمر کا عرصہ کھیل کود، سیر سپاٹے اور دوسرے غیر ضروری کاموں میں گزر جاتا ہے، مگر مولانا آزاد کا معاملہ دوسروں سے بہت الگ ہے۔ انھوں نے طالب علمی کی عمر میں استادی کی اور جس وقت لوگ

قلم پکڑنا سیکھتے اور دوسروں کی تحریروں کو نقل کرتے اور اپنے بڑوں کا چربہ اڑاتے ہیں، انھوں نے انشاپردازی کے بے مثال نمونے پیش کیے اور کئی مشہور پرچوں اور اخباروں کی ادارت کی اہم ذمہ داری ادا کی۔

مولانا آزاد کی رسم بسم اللہ پانچ سال کی عمر میں ہوئی۔ اردو عربی فارسی کی درس نظامی کی کتابیں گھر پر پڑھیں۔ مولانا آزاد خود ہی اپنے معلم و مدرس تھے، انھوں نے ذاتی مطالعہ کی بنیاد پر کم عمری میں ہی اتنی صلاحیت پیدا کرلی تھی کہ ان کے اساتذہ بھی انھیں پڑھنے کے بجائے پڑھانے کا مشورہ دینے لگے۔ دس سال کی عمر میں جب کہ ان کے چہرے پر داڑھی مونچھ کا نشان بھی نہ ابھرا تھا کہ گھر پر طلبہ کو ابتدائی کتابوں کا درس دینے لگے۔ چھوٹی عمر میں ہی عربی فارسی کے علاوہ اردو ادب کی کلاسیکی کتابوں کے دل دادہ بن گئے، باغ و بہار اور آب حیات جیسی اہم ادبی کتابوں کا مطالعہ کرڈالا اور اسی مطالعہ اور دل چسپی کا نتیجہ تھا کہ طبیعت شعرگوئی کی طرف بھی مائل ہوگئی اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں ہی تیس اشعار کی پوری غزل لکھ ڈالی، جو مشاعرے میں سنائی گئی، لوگ سن کر حیرت کے ساتھ عش عش کرنے لگے، بعد میں ایک رسالے میں بھی شائع ہوئی۔ شوخ رام پوری جیسا استاد شاعر کمسنی میں ہی ان کا زبردست معتقد ہوگیا۔ اور اس کی شعرگوئی کی صلاحیت سے متأثر ہوکر کہا: ''پیرزادے تم دس بارہ برس سے زیادہ کے نہیں لگتے، مگر کلام! یقین نہیں آتا کہ یہ تمھارے ذہن کی تخلیق ہے۔''

آپ کو معلوم ہوگا کہ مولانا آزاد کا اصل میدان شعروشاعری نہیں، نثر نگاری اور مضمون نویسی تھا۔ انھوں نے بچپن میں ہی نثر کی معیاری کتابوں کا مطالعہ کرنے کے ساتھ، مضمون نگاری بھی شروع کردی۔ انھوں نے نئے نئے موضوعات پر ادبی اور علمی اسلوب میں مضامین لکھے۔ بڑے بڑے رسائل میں ان کے مضامین چھپے اور دوسرے رسائل اور اخبارات بھی اس کو اہتمام سے نقل کرنے لگے۔ آزاد کی صحافت کا آغاز گیارہ سال کی عمر میں شعری ماہ نامہ نیرنگ خیال سے ہوا۔ 1900 کے آخر میں جب کل تیرہ سال کی عمر ہی تھی کہ انھیں ایک مطبع کے مالک موسی نے ہفت روزہ اخبار 'المصباح' کا مدیر بنادیا، اس میں مولانا آزاد کے کئی عمدہ مضامین جیسے 'نیوٹن اور قانون کشش' وغیرہ چھپے۔ یہ اخبار بعض حالات کے سبب، تین چار ماہ ہی جاری رہ سکا، مگر مولانا آزاد کو ادبی اور علمی حلقوں میں تعارف کا ایک اسٹیج ضرور مل گیا تھا۔ انھی دنوں منشی نوبت رائے نظر کے ماہ وار شعری رسالہ خدنگ نظر (لکھنؤ) کے نثری حصہ کی ایڈیٹنگ کی ذمہ داری نبھائی۔ انھوں نے اسی نوعمری (1903) میں کلکتہ کے ہفتہ وار 'احسن الاخبار' میں بھی کام کیا۔ 1903 میں جب یوسف جعفری کا رسالہ 'لسان الصدق' نکلنا شروع ہوا تو اس پر بھی مدیر کے نام کی جگہ ابوالکلام آزاد کا نام لکھا تھا، یہ مئی 1905 تک نکلتا رہا۔ اس اخبار نے اپنے علمی اور ادبی مضامین کی وجہ سے پڑھے لکھے حلقوں میں اپنی جگہ بنالی، مولانا حالی بھی اس اخبار کے مداح تھے، پختہ تحریر، سلجھا ہوا انداز اور نئے موضوعات پر بحث کے سبب، لوگ باگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا ایڈیٹر کوئی عمر دراز شخص ہوگا، مگر اس وقت بھی مولانا کی کل عمر چودہ برس سے زائد نہ تھی۔ ابھی عمر پندرہ سترہ برس ہی تھی کہ علامۂ وقت مولانا شبلی نعمانی بھی آزاد کی قابلیت اور صلاحیت کے قائل ہوگئے اور انھوں نے اس ابھرتے ہوئے ننھے انشا پرداز کو 'الندوہ' جیسے علمی اور تحقیقی پرچے کا مدیر بنادیا۔ وہ اس پرچے سے اکتوبر 1905 - مارچ 1906 یعنی ایک سال سے بھی کم عرصہ وابستہ رہے، یار دوستوں کی سازش اور حسد نے بھی جلتی پر تیل کا کام کیا، مگر اس

تھوڑی سی مدت میں انھوں نے اپنی ادیبانہ تحریر اور بہتر انتظام کے بل پر، اس کو ملک کا ایک معیاری پرچہ بنادیا۔اپریل 1906 نومبر 1906 کل آٹھ مہینے امرتسر کے اخبار وکیل کی ادارت بھی کی۔اب تک آزاد دوسروں کے اخبار یا پرچے کی ادارتی ذمہ داری سنبھال رہے تھے، یا یہ کہیے کہ دوسروں کے پلیٹ فارم سے علم و ادب کی دنیا کو سیراب کر رہے تھے، مگر اسی نوعمر قلم کار کو خدا نے وہ حوصلہ اور ہمت عطا کی کہ اس نے اپنا اخبار نکالنے کا پروگرام بنایا۔مولانا آزاد کا قول بھی تھا کہ کسی کے لیے اس سے بڑا اور کوئی امتیاز نہیں ہوسکتا کہ وہ خود اپنے پرچے کا ایڈیٹر ہو۔ وہ اب صرف ابوالکلام آزاد نہیں رہ گیا تھا، بلکہ اپنے مقام و مرتبے کی وجہ سے علم و ادب کی دنیا صحافی و ادیب مولانا آزاد بن گیا تھا، چنانچہ اس نے کلکتہ سے 1912 میں اردو کا پہلا باتصویر پرچہ 'الہلال' نکالا جس نے بہت جلد شہرت کے جھنڈے گاڑ دیے۔لوگ اس اخبار کو چوک چوراہے پر مجمع عام کی شکل میں پڑھتے اور اس کے ادبی جملوں سے لطف اٹھاتے تھے۔اس اخبار نے ہندوستانیوں میں آزادی کی تڑپ اور للک پیدا کردی، اس اخبار پر حکومت کی نظر پڑی اور اس کو بند کرنے کا حکم جاری کیا گیا تو مولانا نے الہلال کے بجائے 12 نومبر 1915 سے البلاغ کے نام سے اخبار نکالنا شروع کردیا اور قوم و ملک کو آزادی کی لڑائی میں جوش و جذبے کے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔اس وقت بھی مولانا کی عمر کوئی بہت زیادہ نہ تھی۔یہی کوئی چھبیس ستائیس سال۔الہلال کے انداز اور نئے موضوعات کے سبھی مداح تھے۔ڈاکٹر ذاکر حسین، پنڈت جواہر لعل نہرو، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے اس کی تعریف کے پل باندھے۔

یہ تو ان کی صحافت اور مضمون نگاری کا تذکرہ تھا۔وہ کم سنی میں ہی کئی اہم کتابوں کے مصنف بھی بن گئے تھے۔مولانا کی سوانح لکھنے والوں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ 13 سے 18 سال کی عمر تک وہ لگ بھگ چودہ اہم کتابوں کی تصنیف کا فریضہ انجام دے چکے تھے۔جس میں اعلان الحق، عمر خیام، دیوان

غزلیات، خاقانی، المعتز لہ، چہار مقالہ جیسی اہم کتابیں شامل ہیں۔ 18 برس کے بعد کی تصانیف کو الگ سے شمار کیا گیا ہے، جن کی تعداد بھی 20 کو پہنچتی ہے۔

دس پندرہ سال کی عمر میں لوگ اپنے بڑوں کا نام سنتے اور ان کے کارناموں پر رشک کرتے ہیں اور ایسا ہی کچھ کرنے کی خواہش پالتے ہیں، مگر مولانا آزاد اس عمر میں شہرت کے ساتویں آسمان پر تھے، اس لیے نہ صرف اپنے وقت کے بڑے لوگوں سے ذاتی طور پر خط و کتابت کرتے اور اہم ادبی اور قومی معاملات پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں، بلکہ اپنے وقت کے بڑے لوگوں کے ساتھ کانفرنس اور جلسوں میں شریک ہوتے اور ان کی موجودگی میں اہم معاملات پر تقریر کرتے ہیں اور تقریر بھی اتنی بے جھجک اور زوردار کہ لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ اتنی کم عمری میں اپنے اکابر کے سامنے، کوئی اتنی عمدہ اور شاندار تقریر کرسکتا ہے اور اگر کسی کو سامعین میں سے شک ہوا کہ یہ رٹی رٹائی تقریر کر رہا ہے تو انھوں نے کسی تیاری کے بغیر ایک نئے موضوع پر تقریر کرکے سب کے شک کو دور بھی کردیا۔

مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولانا شبلی جن سے کسی اہم موضوع پر بات چیت کا موقع ملنا تو کیا، چند منٹ کی ملاقات کے لیے بھی، حوصلہ اور ہمت درکار تھی، ان سے بھی مولانا آزاد کو اسی پندرہ سال کی عمر میں ملاقات کے ساتھ، اہم ملکی، علمی اور مذہبی معاملات پر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ لمبی بات چیت کا موقع مل جاتا ہے۔

بچو! آج لوگ اردو کو کمزور زبان سمجھ کر اس میں اظہار خیال کو اپنی توہین سمجھتے ہیں، مگر مولانا آزاد کا ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا تحریری سرمایہ ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ قابل شخص ایک زبان کے سہارے بھی علم و ادب کی دنیا میں اپنی شہرت کا سکہ جماسکتا ہے۔ قابل شخص کا ملٹی لنگول ہونا ضروری نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہرگز نہ تھی کہ وہ بڑے باپ کے بیٹے تھے، بلکہ ان کی علمی قابلیت، تقریری صلاحیت اور تحریری ملکہ اس وقت کے بڑے بڑے عالموں، ادیبوں اور شاعروں کو بھی ان کی اہمیت تسلیم کرنے پر مجبور کردیتا تھا۔

ان کی تعلیم بھی کسی اعلیٰ درجے کے اسکول میں نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی باضابطہ کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی، بلکہ انھوں نے گھریلو تعلیم حاصل کرکے اپنی محنت اور مطالعہ سے تمام بنیادی موضوعات میں مہارت حاصل کرلی تھی۔ وہ عربی، فارسی کے ساتھ انگریزی کی بھی شد بد رکھتے تھے۔ بچو! آج لوگ اردو کو کمزور زبان سمجھ کر اس میں اظہار خیال کو اپنی توہین سمجھتے ہیں، مگر مولانا آزاد کا ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا تحریری سرمایہ ہمیں یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ قابل شخص ایک زبان کے سہارے بھی علم و ادب کی دنیا میں اپنی شہرت کا سکہ جما سکتا ہے۔ قابل شخص کا ملٹی لنگول ہونا ضروری نہیں۔ بس محنت اور صلاحیت سے کام لینے اور اس کو بہتر ڈھنگ سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی بچپن کی عمر کو کھیل کود میں نہیں گزاریں گے، بلکہ ان کاموں میں لگائیں گے جو ملک اور قوم کی ترقی اور اس کی نیک نامی میں اضافہ کرے۔

■

Dr. Abrar Ahmad
At+ Post Sakri
Distt.: Madhubani - 847239 (Bihar)

■ عطیہ بی

سب سے بڑی طاقت

شام کے وقت بازار کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔ آج ا
بھی بازار جاؤں گا بس ابّو آفس سے آجائیں پھر میں ان
ساتھ بازار جا کر طرح طرح کی چیزیں لے آتا ہوں۔ ک
آئے گا! چاکلیٹ، برفی، کھلونے سب میرے پاس
گے۔ ارے واہ مزا آجائے گا! یہ سوچ سوچ کر عابد کا دل
سے جھوم رہا تھا اور اس کے قدم بے چینی سے کبھی دروا
سے آنگن کی جانب تو کبھی پھر سے آنگن سے درواز
جانب چل پڑتے۔ کب آئیں گے ابو؟ اف بڑی دیر کر دی
تو ابو نے۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں لگا ہی تھا کہ عابد کے د
بھائی آنگن میں آدھمکے۔ کیا بات ہے عابد بھائی آپ اتن
چینی سے کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ ان کے چہرہ پر بکھری مسکراہٹ عابد کے دل پر نشتر کی طرح چبھ گئی۔ عابد نے غصہ میں کہا! کسی کا نہیں جب دیکھو پوچھ تاچھ کرنے آجاتے ہیں بڑے داروغہ بنے پھرتے ہیں ارے واہ یہ کون سی بات ہوئی آپ ہمیشہ ہم لوگوں کو یوں ہی ڈانٹ دیتے ہیں ہم تو صرف آپ کی بے چینی کا سبب جاننا چاہتے تھے اور آپ ہمارے اوپر ہی سیدھے ہو گئے۔ آنے دو ابو کو آج تو آپ کی شکایت ضرور کریں گے۔ ہاں! ہاں! کر دینا بڑے آئے شکایت کرنے والے جب دیکھو مجھ کو پریشان کرنے چلے آتے ہیں۔ ارے واہ! ہم لوگوں نے آپ کو کب پریشان کیا؟ آپ ہی تو ہماری سب چیزیں لے لیتے ہیں مگر اپنی کبھی نہیں دیتے دونوں بھائی ناراضگی کے لہجہ میں بولے۔ زیادہ قابل بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ عابد نے آواز بلند کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو تم لوگ خاموش ہو جاؤ مجھ سے الجھنے کی کوشش مت کرنا۔ دیکھتے ہی دیکھتے معمولی سی کہاسنی نے لڑائی کی شکل اختیار کر لی۔

بے چارہ عابد جو ابھی تک بازار جا کر مختلف قسم کی چیزوں لو لانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اب اپنی لڑائی میں کچھ اس طرح الجھا کہ ابو کے آنے کا احساس تک نہ ہوا۔

ارے ارے یہ کیا ہو رہا ہے۔ ابو نے گھر میں داخل ہوتے ہی کہا۔ ابو کو دیکھتے ہی تینوں بچے ان کی جانب لپکے۔ ابو دیکھیے عابد بھائی کو یہ ہمیشہ ہمیں ڈانٹتے رہتے ہیں اور پریشان کیا کرتے ہیں۔ ہمیشہ ہماری چیزیں لے لیتے ہیں مگر اپنی کبھی نہیں دیتے۔ نہیں ابو! بالکل جھوٹ یہ سراسر مجھ پر الزام لگا رہے ہیں عابد نے اپنی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ میں نے ان لوگوں سے کوئی لڑائی نہیں کی نہ جانے ان کو مجھ سے کون سے جنم کا بیر ہے یہ کبھی بھی مجھ پر جھوٹا الزام لگانے کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ میں تو خاموشی سے کھڑا آپ کے آنے کا انتظار کر رہا تھا کہ آپ آئیں اور میں آپ کے ساتھ بازار جاؤں۔ خدا جانے یہ کہاں سے آدھمکے اور مجھ سے لڑنے لگے۔ میں بے قصور ہوں ابو سے عابد نے اپنی صفائی دیتے ہوئے کہا۔ ابو جو ابھی تک سب کی باتیں بغور سن رہے تھے۔ بچوں کو دیکھ کر مسکرائے اچھا تو تم لوگ میرا انتظار کر رہے تھے چلو چھوڑو لڑائی جھگڑا ہم سب بازار چلتے

ہیں۔ پھر جو چیز تم لوگوں کو چاہیے لے لینا۔

ہرگز نہیں ابو اب میں نہیں جاؤں گا۔ عابد نے اکڑتے ہوئے کہا۔ لے جایئے آپ ان شہزادوں کو مجھے کیا لینا میں ان دونوں کے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گا۔ مت جایئے ہم لوگ آپ کے ساتھ جانے کے لیے پریشان نہیں ہو رہے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے دونوں بھائی منہ پھیر کے کھڑے ہو گئے۔

والد نے جب حالات سنگین ہوتے دیکھے تو تینوں بچوں کو ہاتھ پکڑ کر یکجا کیا اور گلے سے لگاتے ہوئے کہا ''تم سب تو میرے شہزادے ہو تو کیا میرا کہنا نہ مانو گے'' چلو ہم ایک ساتھ بازار چلتے ہیں۔

ٹھیک ہے ابو آپ کے کہنے پر ہم ساتھ چلتے ہیں ورنہ میں کبھی ان کے ساتھ نہ جاتا عابد نے اکڑتے ہوئے کہا۔ ہاں ہاں تو ہم بھی آپ کے ساتھ نہ جاتے جب دیکھو بڑے ہونے کی دھونس جماتے رہتے ہیں۔ دونوں بھائیوں نے تیوریاں بدلتے ہوئے کہا۔ چلو پھر دیر کس بات کی میں کمرے میں بیگ رکھ کے آتا ہوں، تم لوگ دروازے پر میرا انتظار کرو۔ یہ کہتے ہوئے والد کمرے کی جانب گامزن ہوئے اور تینوں بھائی ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر والد کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر مجال کہاں کہ وہ ایک دوسرے سے بات تو بات ایک دوسرے کی جانب نظر بھر کے دیکھ بھی لیتے۔ چند لمحے اسی تناتنی میں گزرے تھے کہ ابو کمرے سے واپس آئے اور بولے ''چلو بھائی چلتے ہیں۔''

''چلیے ابو چلیے ورنہ بہت رات ہو جائے گی اور پاس والے پیو حلوائی کی دکان پر بھیڑ بڑھ جائے گی۔''

یہ کہتے ہوئے تینوں بھائی والد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگے۔ چلتا ہوں چلتا ہوں اتنی بے تابی کس بات کی؟

''ارے ابو آپ سمجھتے نہیں ہیں بھیڑ ہو گئی تو وہاں موجود ساری امرتیاں ختم ہو جائیں گی پھر میں کیسے کھاؤں گا۔'' عابد نے ابو کو بڑے اطمینان سے سمجھایا ہاں بھائی یہ بات تو ہے ابو نے مسکراتے ہوئے اس کی بات تسلیم کی ارے واہ یہ کیا بات ہوئی۔ کیا آپ ہی ساری امرتیاں کھائیں گے۔ جب دیکھو میں میں کرتے رہتے ہیں عابد کے دونوں بھائی تنک کر بولے۔ اچھا اچھا اب پھر سے لڑائی مت شروع کرو۔ چلو ہم لوگ دکان پر چلتے ہیں۔ والد نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے دکان کی جانب قدم بڑھائے۔ مگر ان بچوں کی روز روز کی لڑائی سے وہ بڑے فکر مند رہا کرتے تھے۔ دکان پر پہنچ کر سب نے مزے لے لے کر امرتی کھائی۔ پھر سب کھلونوں کی دکان کی طرف بڑھے اور اپنی اپنی پسند کے کھلونے پسند کرنے لگے۔ مگر یہ کیا! یہاں بھی تماشہ کچھ اس طرح سے ہوا جو کھلونا ایک کو پسند آتا وہی سبھی بھائیوں کو چاہیے ہوتا اور پھر گھمسان لڑائی شروع ہو جاتی۔ والد اس بات سے بہت فکر مند تھے کہ بچوں کو کس طرح یکجا ہو کر رہنا سکھائیں۔ کسی صورت سے معاملہ نپٹایا گیا اور والد تینوں بچوں کے ساتھ گھر کی جانب لوٹنے لگے۔ تبھی عابد کی نگاہ پھل کی ایک دکان پر پڑی یہاں طرح طرح کے پھل خوبصورت انداز سے سجے تھے۔ عابد ان خوبصورت پھلوں کو دیکھ کر رہ نہ سکا اور بے تحاشہ چلانے لگا۔ ابو مجھے اس دکان پر جانا ہے۔ مجھے وہ انگور چاہیے۔ بس چاہیے تو چاہیے۔ اچھا اچھا چلتے ہیں۔ اس میں چیخنے کی کیا بات ہے تم بھی عابد کمال کرتے ہو۔ چلو ہم سب چلتے ہیں۔ ابو سبھی بچوں کو جیبوں ہی دکان پر لے کر پہنچے دکاندار استقبال کے لیے فوراً حاضر ہو گیا۔ کیا چاہیے صاحب فرمایئے۔ ارے بھائی انگور کیا حساب دیے ذرا دام تو بتاؤ۔ ارے صاحب دام میں کیا رکھا ہے آپ لے

لیجیے دیکھیے تو کیا انگور ہیں۔ معلوم ہوتا ہے خدا نے پورے گچھے کو موتیوں سے جڑ دیا ہو۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے اب تعریف ہی کرتے رہیں گے یا قیمت بھی بتائیں گے۔ ارے صاحب قیمت میں کیا رکھا ہے لے لیجیے جو سمجھ میں آئے دے دیجیے گا آپ تو پارکھی ہیں آپ سے کیا دام لگائیں۔ دکاندار نے انگور کا گچھا ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ارے واہ یہ کوئی بات ہوئی جناب۔ جو صحیح دام ہوں بتا دیجیے والد نے دکاندار سے دریافت کرتے ہوئے کہا۔ 80 روپے کلو بیچے ہیں۔ آپ بھی اسی دام میں لے لیجیے والد اور دکاندار کے بیچ باتیں چل ہی رہیں تھیں کہ عابد اور اس کے بھائی کسی اور دنیا میں کھوئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کے کانوں تک یہ باتیں ٹکرا کر نکل جاتی ہوں صرف یہ احساس تو ضرور ہوتا تھا کہ کہیں گفتگو چل رہی ہے۔ ان کی نگاہیں موتیوں سے لدے انگوروں کے گچھے کے پاس رکھے ایک دفتی کے ڈبہ پر ٹکیں تھیں جس میں سبز رنگ کے چمکدار موتی کبھی ادھر سے ادھر تو کبھی ادھر سے ادھر لڑھک رہے تھے۔ تبھی ابو کا ہاتھ عابد نے شانے پر محسوس کیا۔ عابد بیٹا کیا تم کو انگور لینے ہیں لے لوں دیکھو اچھے ہیں نہ۔ تم لوگ کدھر دیکھ رہے ہو کچھ نہیں ابو یہ کیسے انگور ہیں۔ کتنے خوبصورت ہیں ہم تو انہیں کو دیکھ رہے تھے ہاں ہاں بابو یہ بھی اچھے انگور ہیں۔ آپ کہیں تو انہیں کو تول دوں۔ دکاندار نے کہا کیوں بھیا ان کو الگ کیوں رکھا ہے کیا دام ہے ان انگوروں کا یہ 30 روپیہ کلو ہیں بھیا۔ عابد چونکتے ہوئے والد کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنا فرق ایسا کیوں یہ دونوں ہی تازہ انگور ہیں پھر یہ فرق کیسا ایسا ہی ہوتا ہے بابو۔ یہ ٹوٹے ہوئے انگور ہیں اور وہ گچھے میں لگے ہوئے انگور۔ اس لیے ان دونوں میں فرق ہے۔ لوگ اسے لینا پسند نہیں کرتے۔ دکاندار کے لاکھ سمجھانے پر عابد کو تسلی نہیں ہوئی اور فکر مند ایک کنارے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ابو نے انگور خریدے اور عابد کو دیکھتے ہوئے اس کی پریشانی سمجھ گئے۔ کیا بات ہے بیٹا؟ والد نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ابو یہ کیا بات ہوئی دونوں ہی میٹھے صاف شفاف، تازہ پھر دونوں کے داموں میں اتنا فرق کیوں؟ کیوں لوگ گچھے والے انگور کو خریدتے ہیں ان ٹوٹے ہوئے انگوروں کی کیا خطا ہے جو ان کو اتنے سستے داموں پر دکاندار کو فروخت کرنا پڑتا ہے۔ ابو مسکرائے اور پاس لگی بینچ پر سبھی بچوں کو بٹھاتے ہوئے بولے۔ ”یہ گچھے کی صفت ہے بیٹا جب تک انگور گچھے سے جڑے رہتے ہیں اور یکجا رہتے ہیں ان کی عزت قیمت اور معیار بنا رہتا ہے۔ اور لوگ انہیں اعلیٰ داموں پر خریدتے ہیں مگر جیوں ہی وہ ٹوٹ کر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں ان کی قیمت خود بہ خود گر جاتی ہے۔ اسی طرح ہم سب کی یکجہتی بھی ہے۔ جب تک آپس میں ہم سب خلوص اور محبت سے جڑے رہیں گے تو ہماری عزت وقار بلند رہے گا۔ اور کوئی ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ مگر ہاں اگر ہم انگور کے دانوں کی طرح بکھر جائیں گے تو ہماری شناخت بے مقصد اور بے کار چیزوں میں ہونے لگے گی اور ہم دنیا کی نظروں میں گر جائیں گے۔ یہ ہمیں طے کرنا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ سبھی بچے ابو کی بات کو غور سے سنتے رہے کچھ لمحوں کے بعد عابد بولا۔ ”جی ابو میں آپ کی بات سمجھ گیا اب ہم ایک دوسرے سے کبھی نہیں لڑیں گے ہمیشہ انگور کے گچھے کی طرح جڑ کر رہیں گے“۔ یہ کہتے ہوئے تینوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

■

Atia Bi
194/32, L. P. Road
Wazeer Ganj, Lucknow (UP)

■ شمس الاسلام فاروقی

شہد کی مکھی

میں شہد کی مکھی ہوں۔ آپ تو مجھ سے خواہ مخواہ ہی ڈر رہے ہیں۔ میرا آپ کو کاٹنے کا بالکل ارادہ نہیں۔ میں یہ کام تو صرف اس وقت کرتی ہوں جب کوئی مجھے چھیڑے۔ آپ کو نہیں معلوم کسی کو کاٹنے پر میری اپنی جان بھی چلی جاتی ہے۔ جب کوئی مجھے چھیڑتا ہے تو مجھے سخت غصہ آجاتا ہے اور میں بہت زور سے اپنا ڈنک اس کی جِلد میں چبھو دیتی ہوں۔ غصے میں ڈنک اتنی زور سے چبھوتی ہوں کہ ڈنک کے ساتھ میرے پیٹ کا آخری قطعہ بھی جسم سے ٹوٹ کر وہیں رہ جاتا ہے۔ جسم کا ایک حصہ ٹوٹ جانے کے بعد میرا زندہ رہنا بھلا کس طرح ممکن ہوسکتا ہے۔ میں بھی تھوڑی دیر میں تڑپ تڑپ کر ختم ہوجاتی ہوں۔

میرا سائنسی نام ایپس (Apis) ہے۔ ہندوستان میں عام طور پر جو قسم پائی اور مصنوعی طور پر شہد کے لیے پالی جاتی ہے وہ ایپس سِرانا (Apis cerana) کہلاتی ہے۔ میرے سر پر مرکب آنکھیں بہت بڑی بڑی ہیں۔ اینٹنی بھی نہ بہت چھوٹے ہیں نہ بہت لمبے۔ نیچے کی طرف میرے منہ کی بناوٹ بہت خاص ہے۔ یہ لمبوترا ہوکر ایک چوڑی اور چپٹی سی ٹیوب بنا لیتا ہے جس کا آخری سرا چمچے جیسا ہے۔ میں اس سرے کو پھول کے اندر اس کی جڑ میں گھسا دیتی ہوں اور پھر اس چمچے جیسے حصے سے پھول کا رس چاٹ چاٹ کر ٹیوب کے پچھلے حصے میں جمع کرتی رہتی ہوں۔ جب خاصی مقدار میں رس جمع ہوجاتا ہے تب میں اپنے چھتے کی طرف اڑان بھرتی ہوں اور راستے میں اس رس میں اپنے منہ کا لعاب ملاتی جاتی ہوں۔ چھتے میں پہنچتے پہنچتے اس لعاب سے مل کر شہد میں تبدیل ہوجاتا ہے جسے میں چھتے کے کسی خانے میں اگل دیتی ہوں۔ میں سارا دن اسی کام میں مصروف رہتی ہوں۔ میرے علاوہ میرے چھتے کی دوسری مکھیاں بھی رس لاکر اس سے شہد بنا کر چھتے میں ذخیرہ کرنے کا کام کرتی ہیں۔ وقت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کرکے شہد کی مقدار بڑھتی رہتی ہے اور چھتے کے مخصوص خانے شہد سے

بھر جاتے ہیں۔

میرے سینے پر اوپر کی طرف دو جوڑی پَر ہیں، جن میں اگلے بڑے لیکن پچھلے چھوٹے ہیں۔ شفاف آر پار نظر آنے والے پَروں کی مدد سے میں تیزی سے اڑسکتی ہوں۔ سینے کے نچلے حصے سے جڑے تین جوڑی پیر ہیں جن میں آخری غیر معمولی چوڑے، چپٹے اور لمبے لمبے بالوں سے بھرے ہیں، ان بالوں کی مدد سے پچھلے پیروں پر ایک ٹوکری بن جاتی ہے جسے پولن باسکٹ کہتے ہیں۔ پولن پھولوں کے زردانے کو کہتے ہیں اور باسکٹ ٹوکری کو۔ میں اپنے بڑھتے ہوئے لاروں کے لیے اس باسکٹ میں پھولوں کا زردانہ اکٹھا کر کے چھتے میں لے جاتی ہوں اور اپنے لاروں کو کھلاتی ہوں۔

میرا پورا جسم خاص قسم کے بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اگر آپ خوردبین کے نیچے انھیں بڑا کر کے دیکھیں تو پتا چلے گا کہ ان بالوں میں دائیں بائیں شاخیں نکلی ہوئی ہیں۔ یہ بال میری خاص پہچان ہیں۔

میرا شمار سوشل کیڑوں میں ہوتا ہے۔ سوشل کا مطلب ہے کہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر ایک چھتے میں رہتی ہوں اور اپنے تمام کام آپس میں بانٹ کر کرتی ہوں۔ میرے چھتے میں لگ بھگ پچاس ہزار مکھیاں ہیں۔ ان میں سے ایک ذرا بڑے قد کی رانی مکھی کہلاتی ہے۔ وہ چھتے کے اندر رہتی ہے اور صرف انڈے دینے کا کام کرتی ہے۔ باقی مکھیاں مزدور مکھیاں کہلاتی ہیں اور مختلف کام ان میں بٹے ہوئے ہیں۔ وہ مکھیاں جن کی عمر ابھی صرف بیس دن کی ہے چھتہ سے باہر نہیں نکلتیں، وہ وہیں رہ کر کام کرتی ہیں۔ ان کے ذمہ چھتوں کے خانوں کی صفائی اور بڑھتے ہوئے لاروں کی دیکھ بھال کا کام ہے۔ ان مکھیوں کے جسم سے موم کی پرتیں بھی نکلتی ہیں جن کی مدد سے وہ چھتہ میں نئے خانوں کا اضافہ بھی کرتی ہیں۔ انھیں پیدا کرنے والے ہیں۔ انھیں ایسی مہارت دی ہے کہ وہ موم کی مدد سے چھ کونے والے بالکل ایک جیسے خانے بنا سکتی ہیں۔ باقی مزدور مکھیاں چھتے سے باہر نکلتی ہیں اور پانی، پھولوں کا زردانہ اور پھولوں کا رس لے کر آتی ہیں۔ ان میں کچھ مکھیاں پہلے پھولوں کو تلاش کرتی ہیں اور پھر چھتے میں واپس آ کر مختلف ڈانس دکھا کر اپنی ساتھی مکھیوں کو ان کی خبر دیتی ہیں۔ ان کے ڈانس سے ساتھی مکھیوں کو پتا چل جاتا ہے کہ پھول چھتے سے کتنے دور ہیں اور ان میں کتنا رَس موجود ہے۔

جب چھتہ زیادہ بڑا ہو جاتا ہے تو اس میں کچھ نئی رانی مکھیاں اور نر مکھیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر نئی رانی تھوڑی سی مزدور مکھیاں لے کر چھتہ چھوڑ دیتی ہے اور دوسری جگہ نیا چھتہ بنا لیتی ہے جو وقت کے ساتھ بڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہماری نسلیں بڑھتی رہتی ہیں۔

■

Shamsul Islam Farooqui
90-B, Ahata Talib, Noor Nagar
Okhla, New Delhi - 110025

رضاء الرحمن

سالارِ جنگ میوزیم

کے عجائبات

سالارِ جنگ میوزیم حیدرآباد میں ابوالقاسم نواب میر یوسف علی خان نے قائم کیا۔جن کی عرفیت سالارِ جنگ تھی۔ یہ حیدرآباد میں1885 میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے ایک مہینے کے اندر ہی ان کے والدمیر لائق علی خاں کا انتقال ہوگیا۔ پرورش کا مسئلہ ہوا تو ان کے چچا نے یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی۔مگر چند مہینوں کے اندر ہی وہ بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ خاندان میں ایسا کوئی نہیں تھا جو آپ کی پرورش اور جاگیر کی دیکھ بھال کرسکتا۔اس لیے نواب حیدرآباد میر محبوب علی خاں سادس (ساتویں نواب) نے یوسف علی خاں کی پرورش اوران کی جاگیر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھال لی اوراس کے لیے کورٹ آف وارڈ مقرر کیا۔ چونکہ بچپن سے ہی ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا اس لیے بچّے کو بہلانے کے لیے قسم قسم کے کھیل کھلونے فراہم کیے گئے۔جس کا انجام یہ ہوا کہ بچپن سے ہی انھیں چیزیں اکٹھا کرنے کا شوق ہوگیا اور یہیں سے دراصل سالارِ جنگ میوزیم کی بنیاد رکھی گئی اور آنے والے وقت میں ایک عظیم الشان میوزیم عالم وجود میں آیا جسے دیکھنے کے لیے ہند و بیرونِ ہند سے ہزاروں سیّاح حیدرآباد چلے آتے ہیں۔

ہم یہاں پر اس میوزیم کے چند عجائبات کا ذکر کرنے جا رہے ہیں۔جن سے سالارِ جنگ کے اعلیٰ ذوق کا اندازہ ہونے کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی فخر یہ احساس ہوگا کہ آج ہندوستان میں اتنا عظیم الشان عجائب گھر بھی ہے۔جس میں موجودہ عجائبات دیکھنے والوں کو محوِ حیرت کردیتے ہیں۔

کھلونے : سالارِجنگ میوزیم کے بانی نواب یوسف علی خاں بچپن میں ہی یتیم ہوگئے تھے۔اس لیے ان کی طبیعت کو بہلانے کے لیے اورا کیلے پن کو دور کرنے کے لیے ان کے نگراں ملازم عنبرخاں نے قسم قسم کے کھلونے اوردل بہلانے کی چیزیں فراہم کیں۔ یہ شوق آگے بڑے ہونے پر اوربھی پروان

چڑھا اور آپ پھر ذاتی طور پر بھی کھلونے وغیرہ اکٹھے کرنے پر جیب خاص سے روپیہ خرچ کرنے لگے۔اس طرح آپ کے میوزیم میں کھلونوں کا ایک انبار لگ گیا۔یہ کھلونے رنگ برنگ کے عجیب وغریب اور دلکش مناظر پیش کرتے ہیں۔ان میں سے کچھ کھلونے یوروپی ملکوں سے بھی درآمد کیے گئے ہیں۔

تصاویر : سالارِ جنگ میوزیم میں اتنی عظیم الشان اور حیرت انگیز تصویریں موجود ہیں۔جو ناظرین کو محوِ حیرت کردیتی ہیں اور جنھیں دیکھنے والے ان کے بنانے والوں کو خراجِ تحسین پیش

کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔اسی میں ایک تصویر 9 انچ لمبی اور 6 انچ چوڑی ہے۔جو کوئلے سے بنائی گئی ہے۔اس تصویر میں خاصیت یہ ہے کہ ایک شخص کھڑکی کے قریب پلنگ پر لیٹا ہوا دکھایا گیا ہے اور روشنی کھڑکی سے آکر اس کے جسم پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔لیکن اگر پائنتی کی طرف سے دیکھیں تو روشنی جسم کے دوسرے حصّے پر پڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔غرض کہ زاویہ نظر بدلنے سے روشنی کی سمت بھی بدل جاتی ہے۔ایک رنگین تصویر چینی مٹی کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے۔یہ تصویر تقریباً 6 فٹ لمبی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی ہے۔اس تصویر میں قطاری مکان بنے ہوئے ہیں بیچ میں گلی، بجلی کا کھمبہ اور چوراہے پر کھڑے ہوئے کچھ لوگ دکھائے گئے ہیں۔اس تصویر میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک زاویہ سے دیکھیں تو ایک قطار کے مکان نظر آتے ہیں دوسرے کے نہیں اور اگر دوسری سمت سے کھڑے ہوکر دیکھیں تو دوسری سائڈ کے مکان نظر آتے ہیں پہلی قطار کے نہیں۔ایک اور نہایت دلکش تصویر ہے جس میں ایک عورت نہاتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔اس کی بھیگی ہوئی ساڑی جسم سے چپکی ہوئی ہے اور پانی بدن اور ساڑی سے ٹپک رہا ہے۔اس کے علاوہ یہاں اور بھی تصاویر ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ایک تصویر کسی ملک کی ہے۔اس کا کمال یہ ہے کہ جس زاویہ سے بھی دیکھیں وہ حسینہ مسکرا کر دیکھنے والے کا استقبال کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

مجسّمے : سالارِ جنگ میوزیم میں بہت سے اعلیٰ وشاندار مجسّمے رکھے ہوئے ہیں۔جنھیں دیکھ کر ان کو بنانے والوں کی حسنِ کاریگری اور صلاحیت فن کی داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

ان میں ایک مجسمہ اٹلی کے سنگ تراش جی ایم بین رونی کا بنایا ہوا ہے۔اس مجسمہ کا کمال یہ ہے کہ یہ سنگ مرمر سے تراشہ ہوا

ایک دوشیزہ کا مجسمہ ہے۔جس کا جسم ایک سفید چادر سے ڈھکا ہوا ہے۔حیرت کی بات یہ ہے کہ چادر والا پتّھر اس قدر نفیس و دبیز ہے کہ اس سے نازنین کا جسم صاف نظر آتا ہے۔دوشیزہ کا جھلکتا ہوا جسم اور اس پر پڑی سنگی چادر کی سلوٹیں ناظرین کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے بنانے والے کے لیے داد و تحسین دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ یہاں لکڑی سے تراشا ہوا ایک ایسا عجیب وغریب مجسمہ ہے۔ جسے سامنے اور پیچھے سے تراش کر دو مجسمہ بنائے گئے ہیں۔ایک طرف عورت کا جسم ہے دوسری طرف مرد کا۔مجسمے کا کمال یہ ہے کہ لکڑی کے ایک ہی ستون سے دونوں جانبوں کے اعضا تراشے گئے ہیں۔

گھڑیاں: اس میوزیم میں چند عجیب وغریب گھڑیاں بھی ہیں جن میں متفرق کمال ہیں۔مگر ان میں ایک گھڑی تو اس درجہ حیرت انگیز ہے کہ صرف اسے ہی دیکھنے کے لیے دور دور سے

سیاح اس میوزیم میں آتے ہیں۔گھڑی کیا ہے مانو زندہ طلسمات ہے۔جو دیکھنے والوں کی توجہ پوری طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔اس لیے آپ کو سب سے زیادہ سیاح اسی مقام پر ملیں گے۔یہ گھڑی اس طرح بنائی گئی ہے کہ اس گھڑی کے ڈائل میں ایک دروازہ بنایا گیا ہے۔جب گھنٹہ بجنے کا وقت ہوتا ہے۔تو وہ دروازہ کھلتا ہے اور اس سے کھلونے جیسا بونا نکلتا ہے۔اور ہتھوڑی اُٹھاتا ہے اور گھڑی کے ڈائل میں لگے ہوئے گھنٹے پر جتنے بجے ہوتے ہیں اتنی ضربیں لگاتا ہے۔ہتھوڑا رکھ کر پھر اسی دروازے سے واپس چلا جاتا ہے۔اس کے علاوہ کچھ اور گھڑیاں بھی ہیں جو اپنے دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتی ہیں۔

متفرقات: سالارِ جنگ میوزیم میں یوں تو بہت سی چیزیں موجود ہیں جو انسانی عقل کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں۔ان میں کچھ اس قدر اہم ہیں کہ ان کے ذکر کے بغیر یہ مضمون نامکمل

رہے گا۔اس لیے یہاں کچھ اور اہم چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔یہاں ہاتھی دانت کا بنا ہوا بیضاوی شکل کا گولا کمال صناعی کے ساتھ تراشا گیا ہے۔اس کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس گولے کے اندر ایک اور گولا اور پھر اس کے اندر بھی ایک اور گولا دیا گیا ہے۔کمال یہ ہے کہ ہاتھی دانت کے یہ تینوں گولے ایک دوسرے کے اندر ہیں اور صاف نظر آتے ہیں اور ان پر نفیس پھول پتّیاں بھی بنائی گئی ہیں۔اسی طرح برما اور انڈو

نیشیا کے فن کا کمال بانس پر تصویر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔جو دیکھنے والوں کو محوِ حیرت کر دیتی ہے۔ابوالفضل کی وہ تفسیر قرآن بھی یہاں موجود ہے۔جو اردوئے معریٰ (بغیر نقطے والے حروف) میں لکھی گئی ہے۔اسی وجہ سے آج یہ نوادرات کے ساتھ ہی عجائبات کا مقام بھی حاصل کر چکی ہے۔یہ بھی آپ کو یہاں دیکھنے کو مل جائے گی۔سالارِ جنگ میوزیم میں ایک ایسا عجیب وغریب اور نادرِ روزگار شاہکار بھی دیکھنے کو مل جاتا ہے جو ایک سفید پتھر سے تراشا ہوا انڈے کے برابر ہے۔جس کا کمال یہ ہے کہ اس میں اندر پانی جھلکتا ہے۔اور اسے ہلاتے ہوئے بھی پانی صاف طور پر ہلتا ہوا نظر آتا ہے۔ڈھاکے کی ململ جو اپنے اندر عجیب خوبی رکھتی ہے اور اس کا ایک تھان انگوٹھی کے اندر سے نکل جاتا ہے۔یہ بھی آپ کو اس میوزیم میں دیکھنے کو مل جائے گی۔خشخش جیسے چھوٹے سے دانے پر پوری سورہ اخلاص لکھی ہوئی ہے۔جسے دیکھ کر انسانی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔یہاں شہنشاہ جہانگیر کی وہ صراحی بھی آپ کو دیکھنے کو مل جائے گی جو پیش قیمت پھول پنکھڑیوں سے سجی ہونے کی وجہ سے کمال صناعی کا نمونہ ہونے کے ساتھ ہی ایک اور خاصیت کی حامل بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں پانی محض پانچ منٹ کے اندر ہی برف کی طرح ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ایک اور صراحی ہے جس کا کمال یہ ہے کہ ایک ہی پتھر سے صراحی اس کا ڈھکن اور زنجیریں تراشی گئی ہیں۔یہ اپنے فن میں کمال بھی ہے اور بے مثال بھی۔جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے اور وہ لوگ ان عجائبات کے بنانے والوں کی عقل ودانش کی داد دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

■

Dr. Razaur Rahman Akif Sambhali
Miyan Sarai Katra Bazar, Sambhal (UP)

■ عمران ثانی بلڈانوی

علم وحکمت

جغرافیہ بتائے سچی ہمیں کہانی!!
دنیا میں کتنے فیصد خشکی ہے اور پانی
جنگلات کے فوائد ہم کو یہی بتائے
پھل پھول اور غذائیں دیکھو یہیں سے آئے
مٹی شجر حجر اور، حیوان بھی یہ سارے!!
انساں کے فائدے کو رب نے بنائے پیارے
اس نے فلک پہ دیکھو شمس و قمر سجایا
پٹرول اور ڈیزل زیرِ زمیں چھپایا
نقشوں کی ہی مدد سے ہم نے یہ بات جانی
چلنا ہے کس ڈگر پر منزل ہے کیسے پانی
علم و عمل سے اپنے انساں نے کر دکھایا
وہ چاند کی بھی دیکھو کر کے ہے سیر آیا
حاصل کرے جو اس کو من کی مراد پائے
انساں کو بیچ میں انساں بھی علم ہی بنائے
سونا بھی ہے زمیں میں اور کوئلہ بھی ثانی
تحقیق کر کے ہم نے قیمت ہے اس کی جانی

■

Imran Sani Buldanvi

محمد اطہر مسعود خاں

دوسری دوڑ

ہاں تو ہوا یہ کہ کچھوے سے دوڑ میں بری طرح ہار جانے کے بعد خرگوش برسوں ادھر ادھر منھ چھپائے پھرتا رہا۔ خرگوش کو اپنی اس سابقہ بے وقوفی پر اب تک شدید ندامت تھی کہ نہ وہ منزل کو سہل جان کر اپنا قیمتی وقت سونے میں گزارتا اور نہ کچھوا اپنی رینگتی ہوئی لیکن لگاتار چال سے چل کر اپنی منزل مقصود پر پہنچتا جس سے خرگوش کو ہار کا منھ دیکھنا پڑا تھا۔

اس بار یہ ہوا کہ ایک برتھ ڈے پارٹی میں کچھوا اور خرگوش دونوں شہر میں آئے ہوئے تھے۔ دانہ دنکا جب پیٹ میں پڑ جاتا ہے تو عام طور سے مستی سوجھا ہی کرتی ہے۔ لہٰذا خرگوش نے بھی کچھوے سے مذاق میں کہا کہ اگر اب میرا اور تمھارا دوڑ کا مقابلہ ہو تو میں تمھیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دوں گا۔

آجکل کے دور میں نہ تو کوئی کسی سے دبتا ہے اور نہ ہی مرعوب ہوتا ہے۔ اس لیے کچھوا بھی خرگوش کی بات سے متاثر نہیں ہوا بلکہ اس نے نہایت نرمی سے کہا کہ تم جب اور جہاں چاہو مجھ سے دوڑ لگانے کی شرط رکھ لو۔ میں تمھارا ہر چیلنج قبول کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ کچھوے نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں تو صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ کسی کو بھی مستقل مزاجی سے ہی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ جلد بازی اور گھمنڈ سے کوئی کسی پر جیت حاصل نہیں کرسکتا۔ آخر نئی دوڑ کے دن اور تاریخ کا ان دونوں میں معاہدہ طے ہو گیا۔

مقررہ تاریخ پر مقررہ جگہ سے دونوں نے اپنی دوڑ شروع کردی۔ منزل پر پہنچنے کے لیے پانچ دن کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ کچھوا حسب عادت اس دوڑ کو جیتنے کے لیے فوراً ہی چل پڑا۔ رہا خرگوش تو وہ تھوڑی دور تک تو دوڑتا ہوا گیا اور جب کچھوے کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو چند منٹ میں ہی دوسرے راستے سے گھوم کر چپکے سے اپنی جگہ پر آ گیا۔ چونکہ اسے اپنی تیز رفتاری کا بھی بخوبی علم تھا اس لیے اس بار وہ کچھ اور ہی سوچے بیٹھا تھا۔

کچھوا اپنی مشہور زمانہ چال سے آہستہ آہستہ چلتا بلکہ

رینگتا رہا۔ وہ یہ بخوبی جانتا تھا کہ چلتے رہنا ہی اس کی جیت کی ضمانت ہے۔

اُدھر خرگوش— آرام سے پیر پسارے سوتا اور خواب خرگوش کے مزے لوٹتا رہا۔ یار دوستوں کے ساتھ گپیں مارا کرتا اور وقت کو ضائع کرتا رہا۔

غرض جب منزل پر پہنچنے کے مقررہ وقت میں، پانچ میں سے تین دن بیت گئے اور صرف دو دن باقی رہ گئے تو اس نے سوچا کہ لاؤ ہم دوڑ بھاگ کر اس سے آگے نکل جائیں اور یہ ریس جیت لیں۔ لیکن اب وقت صرف اتنا ہی رہ گیا تھا کہ وہ کسی سواری کو استعمال کر کے ہی کچھوے سے آگے نکل سکتا تھا۔

لہٰذا اس نے اسکوٹر سوار دو لوگوں سے اپنے بیٹھنے کے لیے لفٹ مانگی۔ لیکن آجکل ہر آدمی بھاگم بھاگ والی زندگی جی رہا ہے۔ اس لیے کسی اسکوٹر والے نے بھی اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ مجبوراً اس نے ایک آٹو رکشہ پکڑی اور جلدی سے ریلوے اسٹیشن جا پہنچا جہاں اسے پتہ چلا کہ اس کی مطلوبہ ٹرین کئی گھنٹے تاخیر سے چلے گی۔ وہ مایوس ہو کر اسٹیشن سے باہر آ گیا۔ اب اس کے سامنے صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ یہ سفر بس کے ذریعہ پورا کرے۔ اس نے ٹکٹ لی اور بس میں سوار ہو گیا۔

بس نے رینگنا شروع کیا۔ لیکن بس ابھی چند ہی کلومیٹر چلی تھی اور ایئرپورٹ کراسنگ کو پار بھی نہ کر سکی تھی کہ اچانک ڈاکوؤں نے بس کو روک لیا۔ خرگوش جلدی سے بس سے نکل بھاگا۔

خرگوش کو وقت کی تنگی کا احساس تھا۔ اب اسے ڈر محسوس ہونے لگا تھا کہ کچھوا اس سے آگے نکل کر جیت جائے گا۔ اس لیے اب اس کے سامنے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ یہ سفر ہوائی جہاز سے طے کرے۔ یہ بھی اتفاق تھا ایئرپورٹ وہاں سے صرف تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ لیکن اب اسے یہ فیصلہ پیدل ہی طے کرنا تھا جس میں اس کا ایک گھنٹہ لگ جانے کا

خدشہ تھا۔ بہرحال وہ دوڑتا ہوا ایئرپورٹ پہنچا اور ایئرپورٹ پر اس نے فلائٹ کا ٹکٹ لیا اور ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا لیکن یہ کیا اچانک اُس کی خوشی کو بریک لگ گیا۔ ایک اعلان ہورہا تھا۔ اعلان یہ تھا کہ فضا میں دھند کے باعث ایئرٹریفک بزی ہوگیا تھا اور کنٹرول روم سے جہاز کو اڑنے کی اجازت نہیں مل رہی تھی۔

جہاز دو گھنٹے لیٹ کردیا گیا۔

دو گھنٹے کے بعد ایئرہوسٹس کی دلکش آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی۔ وہ ہدایت دے رہی تھی کہ ہمارا ہوائی جہاز فلائٹ بھرنے والا ہے۔ اس لیے سارے مسافر اپنی اپنی سیٹ پر لگی بیلٹ باندھ لیں۔

تھوڑی ہی دیر میں جہاز اڑ چکا تھا۔ دل کو اور جسم و جاں کو تھوڑا سکون ملا تو اس کی آنکھوں میں غنودگی اتر آئی اور وہ جلد ہی نیند کے مارے غوطے کھانے لگا۔

لیکن ابھی دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ جہاز میں مچے شور سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ واقعہ کی نوعیت سمجھنے میں اسے قطعی دیر نہیں لگی۔ یہ جہاز ہائی جیک کیا جاچکا تھا۔

خرگوش کو اپنے شریانوں میں خون جمتا محسوس ہونے لگا۔ اب کیا ہوگا؟ کیا کچھوا مجھ سے جیت جائے گا؟ کیا میں ریس ہار جاؤں گا؟ کیا جہاز اپنی منزل پر اپنے مقررہ وقت سے پہنچ سکے گا؟ یہ سارے سوالات اس کے ذہن میں ہلچل مچا رہے تھے۔ اس پر تذبذب، الجھن اور پریشانی کی کیفیت طاری تھی اور تھوڑی ہی دیر میں اسے ہائی جیکروں کی آپس کی گفتگو سے معلوم ہوگیا کہ وہ اس جہاز کو کسی دوسرے شہر کی طرف لے جارہے ہیں، جو کافی دور بھی ہے۔ ہائی جیکروں نے اپنی مانگیں پوری نہ ہونے کی صورت میں سبھی مسافروں کو مارنے کی بات بھی کہی تھی۔ سارے مسافر پریشان اور ڈرے ہوئے تھے۔ آخر کئی گھنٹوں کی بات چیت کے بعد ایک معاہدہ طے پایا اور جہاز پر سے ہائی جیکروں نے اپنا قبضہ چھوڑ دیا اور اس کے بعد ہی جہاز اپنی منزل کی جانب دوبارہ سفر شروع کرسکا۔

اور جس وقت جہاز اپنی منزلِ مقصود پر اترا تو خرگوش کے پاس ڈیڈلائن کا وقت ختم ہونے میں تھوڑا ہی وقت بچا تھا۔ اس نے جلدی سے ایک بس پکڑی اور مقررہ جگہ پر اتر گیا۔ وہاں سے اسے دو کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا تھا۔

وہ نہایت تیزی سے اپنی منزل کی طرف دوڑ پڑا۔ جھاڑیوں اور کانٹوں سے الجھتا وہ بھاگتا رہا۔ اس تگ و دو میں اس کا جسم جگہ جگہ سے چھل گیا تھا اور پیروں میں سے خون رسنے لگا تھا۔ سانس پھول گئی تھی اور بھوک پیاس کے مارے برا حال تھا۔ لیکن وہ کچھوے سے یہ دوڑ ہر حالت میں جیت لینا چاہتا تھا۔ آخر ہانپتا کانپتا خرگوش اپنی مقررہ منزل پر پہنچ ہی گیا۔ لیکن۔۔۔!

لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر نہ صرف اس کے ہوش و حواس اڑ گئے بلکہ اس کا سر بھی ندامت سے جھک گیا۔ سامنے کچھوا کھڑا مسکرا رہا تھا جو اس سے پہلے ہی منزل پر پہنچ چکا تھا اور اب خرگوش کا ہی انتظار کررہا تھا۔

کچھوا اپنی مستقل مزاجی اور لگاتار محنت کے باعث یہ مقابلہ جیت چکا تھا اور خرگوش اپنے گھمنڈ اور سفر کی ساری سہولیات پر بے جا بھروسہ کرکے کچھوے سے یہ دوسری دوڑ بھی ہار گیا تھا۔

■

Dr. Mohd Athar Masood Khan
Ghaus Manzil, Talab Mulla Iram
Rampur - 244901 (UP)

محمد سراج عظیم

نفّو، پیڑ اور کالا دیو

''دیکھو بچو! ہم جہاں رہتے ہیں جہاں ہمارا گھر ہوتا ہے اس کے آس پاس صفائی ستھرائی ہونا چاہیے۔ وہاں گندگی نہیں ہونا چاہیے، گندگی سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ جہاں گندگی ہوتی ہے وہاں بہت بدبو آتی ہے۔ یہ بدبو ہوا میں مل کر پورا ماحول خراب کر دیتی ہے۔ اس بدبودار ہوا میں بیماری پیدا کرنے والے جراثیم ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم سانس لیتے ہیں تو یہ ہماری سانس کے ذریعے ہمارے جسم کے اندر پہنچ جاتی ہے اور ہمیں بیمار کر دیتی ہے۔'' نافعہ کی کلاس ٹیچر بچوں کو بتا رہی تھیں۔

نافعہ جس کو سب گھر والے نفّو کہہ کر پکارتے تھے، چوتھے کلاس کی طالبہ تھی۔ فوراً بولی ''میڈم ہم تو بہت اچھی صاف ستھری کالونی میں رہتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو گندگی نہیں ہوتی۔''

''اچھا! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' ٹیچر نے خوش ہوتے ہوئے کہا ''اچھا یہ بتاؤ تمھاری کالونی میں پیڑ ہیں۔''

''نہیں، میڈم، ایسے ہی دو ایک ہیں۔'' نفّو نے مختصر سا جواب دیا۔

''تب پھر تمھارا گھر، تمھاری کالونی کیسے اچھی ہوگئی۔'' ٹیچر نے نفّو سے پوچھا۔ یہ سن کر کلاس کے سارے بچے کھل کھلا کر ہنس دیے۔ کلاس کے ہنسنے سے نافعہ جھینپ گئی۔ ٹیچر نے بچوں کو ڈانٹ سنائی ''کیپ کوائٹ، یہ ہنسنے کی بات نہیں ہے بچوں یہ سننے اور سمجھنے کی بات ہے۔''

ٹیچر نے کہنا شروع کیا ''بچو ہمارے آس پاس ہریالی اور پیڑ پودے ہمارے ماحول کو صاف ستھرا بناتے ہیں۔ پیڑ، پودے ہم لوگوں کے تندرست رہنے کے لیے بہت ضروری ہیں۔ جانتے ہو ہم جو سانس لیتے ہیں، وہ ان پیڑوں کے ذریعے چھوڑی ہوئی صاف ستھری گیس جس کو ہم آکسیجن

بولتے ہیں، یہ آکسیجن ہماری سانس کی نلی کے ذریعے ہمارے پھیپھڑوں میں پہنچتی ہے پھر وہاں سے پورے جسم میں جاتی ہے۔معلوم ہے یہ آکسیجن کیا کام کرتی ہے؟ یہ ہمارے جسم میں خون صاف کرتی ہے اور ہمیں تندرست بناتی ہے اور بیمار نہیں ہونے دیتی ہے۔ اس کے بدلے میں ہم جو سانس چھوڑتے ہیں۔ وہ ہمارے جسم کی گندگی ملی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس ہوتی ہے۔'' اس طرح ہمارے جسم سے کاربن ملی گیس چھوڑی جاتی ہے۔ یہ کاربن بہت نقصان دہ ہوتی ہے۔''

تبھی ایک بچہ انل کھڑے ہوکر بولا'' میڈم، میرے پاپا تو بولتے ہیں یہ جو دھواں ہوتا ہے۔ یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس میں کاربن ہوتا ہے۔ پاپا جب اسکوٹر اسٹارٹ کرتے ہیں تو اس میں سے بہت سا کالا کالا دھواں نکلتا ہے۔'' پاپا مجھے ہٹا دیتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ اگر تمھارے حلق میں چلا جائے گا تو کھانسی ہوجائے گی۔ تمھارے پھیپھڑے خراب ہوجائیں گے۔ اس سے تمھاری آنکھیں بھی خراب ہوسکتی ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں ہم کاربن چھوڑتے ہیں۔''

''ہاں! انل ہمارے جسم میں گندگی کی وجہ سے جو کاربن بنتا ہے اور جب ہمارا خون صاف ہوجاتا ہے اور ہم سانس باہر چھوڑتے ہیں تو اس میں کاربن ملا ہوتا ہے۔ تمھارے پاپا نے تمھیں صحیح بتایا یہ کاربن ڈائی آکسائڈ بہت نقصان پہنچانے والی چیز ہے۔ اب تو کاربن ہوا میں بہت بڑھ گیا ہے جس سے طرح طرح کی بیماریاں ہورہی ہیں۔ اب ہر جگہ بڑے بڑے کارخانے جن کے اندر سے بہت سی زہریلی گیسیں نکلتی رہتی ہیں اور ہوا میں ملتی رہتی ہیں۔ ہمارے شہر میں اتنی زیادہ گاڑیاں ہیں وہ دن رات کتنا دھواں چھوڑتی ہیں اور ماحول کو گندا کرتی ہیں۔ ہمارے شہر میں پیڑوں کی کمی ہوگئی ہے۔ ہر طرف اونچی اونچی عمارتیں بن گئی ہیں۔ لوگ بڑی بے دردی سے پیڑوں کو کاٹ رہے ہیں۔ اس لیے پورا ماحول بگڑ گیا ہے۔ شہر میں بہنے والی ندی کا پانی پینے کے لائق نہیں رہا۔ کیونکہ سب اس میں گندگی بہاتے ہیں۔ دوسرے ندی کو لوگوں نے گندگی سے پاٹ پاٹ کر بالکل پتلی سی نہر بنا دیا ہے اس لیے پانی کی بھی قلت ہوگئی ہے۔'' یہ کہتے کہتے ٹیچر سانس لینے کے لیے رکیں تو

نفو نے فوراً سوال کیا ''میڈم یہ تو بہت بری بات ہے۔ تب تو ہمیں پیڑ بالکل نہیں کاٹنے چاہیے۔''

''ہاں بیٹا اگر ہم لوگوں نے اس طرف دھیان نہیں دیا اور ہم اپنے آس پاس کے ماحول کو، پیڑوں کو کاٹ کر، دھواں چھوڑ کر، گندگی کو پھیلا کر پانی کے راستے بند کر کے خراب کرتے رہے تو بیٹا ایک دن یہ کاربن اور زہریلی گیسوں کا زہر ہم سب کو کھا جائے گا۔'' ٹیچر نے بڑے ڈراؤنے انداز میں بچوں کو بتاتے ہوئے کہا۔

''تو بچو اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اپنے آس پاس گندگی نہ ہونے دیں۔ پیڑوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں بلکہ اپنے آس پاس کو ہرا بھرا بنانے کے لیے ہم سب لوگ پیڑ لگائیں۔'' ٹیچر یہ بتا رہی تھیں تبھی اسکول کی چھٹی کی گھنٹی بجی اور بچے اچھا میڈم ہم ایسا ہی کریں گے کہتے ہوئے اپنے گھر جانے والی بسوں کی طرف دوڑ گئے۔

نفو بس سے اتر کر اپنے گھر پہنچی۔ ڈریس بدل کر کھانا کھایا اور سو گئی تبھی اس نے دیکھا کہ آسمان میں ایک بہت بڑا کالا بھجنگ دیو اڑتا پھر رہا ہے۔ وہ پیڑوں اور بلڈنگوں کو کھا رہا ہے۔ تبھی وہ اس کی کالونی کی طرف بڑھا اور اس کی کالونی کی بلڈنگیں کھانے لگا۔ نفو ڈر کر بھاگنے لگی اور بھاگتے بھاگتے ایک باغ میں پہنچ کر ایک بہت بڑے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔ ''کیا ہوا بیٹی کیوں رو رہی ہو'' وہ اس آواز سے چونک پڑی۔ ''کون ہے'' اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا ''میں ہوں بیٹی یہ بوڑھا پیڑ جہاں تم بیٹھی ہو'' اس پیڑ کے پاس سے دوبارہ آواز آئی ''بتاؤ کیا بات ہے۔'' وہ — نا پیڑ بابا وہ کاربن والا کالا دیو سب بلڈنگیں، کاریں اور بہت سی چیزیں، آدمی سب کھا گیا۔ ہماری کالونی بھی کھا گیا اسی لیے میں بھاگ کر یہاں آ گئی ہوں'' نفو نے سسکتے ہوئے بتایا۔

''یہاں بیٹا تمھیں کچھ نہیں ہوگا۔ گھبراؤ مت لیکن بیٹا یہ سب غلطی انسان کی اپنی ہے، اس دیو کو تو انسانوں نے خود پیدا کیا ہے۔ زہریلی گیس چھوڑنے والے کارخانے لگا کر، اتنی بہت سی دھواں چھوڑنے والی گاڑیاں بنا کر، ندیوں کو پاٹ پاٹ کر گندگی پھیلا کر۔ اگر ان کو کم نہیں کیا تو یہ کاربن کا کالا دیو پوری دنیا کو کھا جائے گا۔'' پیڑ بابا نے کہا۔

''نہیں!'' یہ کہہ کر نفو رونے لگی۔ ''روؤ مت میری پیاری بچی۔'' بوڑھے پیڑ بابا نے اس کی ڈھارس بندھائی۔ ''تمھیں ایک بات بتاؤں یہ کالا دیو پیڑوں سے بہت ڈرتا ہے۔ اس لیے تم جتنے پیڑ اپنے آس پاس لگاؤ گی یہ ڈر کے مارے ادھر آئے گا ہی نہیں۔'' بوڑھا پیڑ بابا بہت زور سے ہنسا۔

''اچھا پیڑ بابا! اب میں بہت سے پیڑ لگاؤں گی۔'' نفو نے کہا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ کر سیدھی آنگن میں پہنچی اور گلاب کے پیڑ سے ایک ٹہنی توڑ کر اپنے گھر کے باہر لگانے لگی۔ تبھی اس کی ماں کی آواز اس کے کانوں میں آئی ''بیٹا نفو کیا کر رہی ہو۔''

''مما میں پیڑ لگا رہی ہوں۔'' نفو نے جواب دیا۔

''کیوں بیٹا۔'' ممی نے پوچھا۔

''ارے مما ہم پیڑ لگائیں گے تبھی تو کاربن کا کالا دیو بھاگ گے گا۔'' اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

■

Mohd Siraj Azeem
A-47, Zakir Bagh, Opp. Surya Hotel
Okhla Road, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

دیوالی

راتوں کی قسمت جاگی ہے
جب سے دیوالی آئی ہے
ننھے منے بچے بالے
داغ رہے ہیں خوب پٹاخے
کرتی ہیں آکاش سے باتیں
دلکش نو رنگیں مہتابیں
کرتے ہیں بچے رنگ رلیاں
ہاتھوں میں لے کر پھلجھڑیاں
بچو! یہ بھی پرکھو جانو
بات مری سچ ہے تو مانو
یہ مہتابیں اور پٹاخے
خطرے کے سامان ہیں سارے
ایسی ہو اپنی دیوالی
جس سے آئے خیر سگالی

Ahmad Imam
Choori Mahal, Kasar Kher
Balapur - 444302 (Maharashtra)

■ نیاز جے راجپوری

ترانۂ اردو

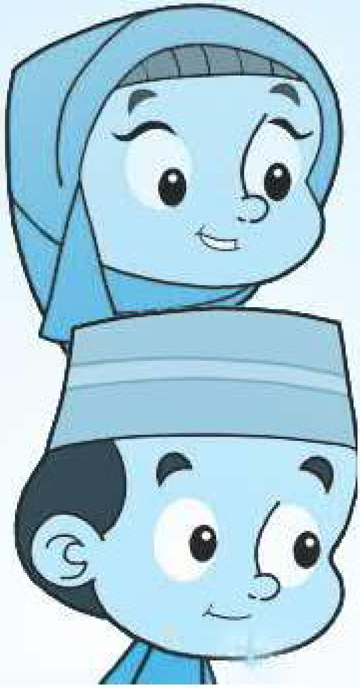

پیاری اُردو میری جان
میری جان میری پہچان
پیاری اردو میری جان

اُردو ہی ہے میری ضرورت
میری خواہش میری حسرت
اردو میرے دل کی دھڑکن
میری آس مرا ارمان
پیاری اردو میری جان

سپنوں کی رنگولی سجائے
نیندیں چُن چُن کر لے آئے
دادی نانی والی کہانی
اُردو جس کا ہے عنوان
پیاری اردو میری جان

اردو پروائی کی سرگم
اردو برکھا رت کی جھم جھم
گونج ہے شہنائی کی اردو
اردو مرلی کی ہے تان
پیاری اردو میری جان

اردو ہولی عید دیوالی
لائے خوشیاں اور خوش حالی
اردو سے ہے جس کا رشتہ
خوش قسمت ہے وہ انسان
پیاری اردو میری جان

جس میں نور و رنگ و خوشبو
جس میں ہے کوئل کی کُو کُو
جس میں ہے بھونروں کی گُن گُن
اردو ہے وہ چمنستان
پیاری اردو میری جان

جب بھی کوئی اردو بولے
امرت رس کانوں میں کھولے
ذہن و دل پہ کردے جادو
اردو ہے ایسی مسکان
پیاری اردو میری جان

کہتی ہے تاریخ ہماری
ہے یہ میری اور تمھاری
پھر بھی ذہن و دل کے کالے
کرتے اردو کا اپمان
پیاری اردو میری جان

اردو پیار سے بھی ہے پیاری
ہندی سے بھی اس کی یاری
سب ہیں اس کے ہے یہ سب کی
ہے یہ اردو کی پہچان
پیاری اردو میری جان

سچ ہے ساری دنیا کہتی
اردو سے قومی یکجہتی
جس میں پھول ہیں رنگ برنگے
اردو ہے ایسا گلدان
پیاری اردو میری جان

جیراجپوری نیاز احمد یوں
اِن سے اُن سے سب کہہ دوں
مرنا جینا میرا اردو
اردو میں ہے میری جان
پیاری اردو میری جان

■

Neyaz Jairajpuri
Editor 'Shandar' Monthly
67, Jalandhari,
Azamgarh - 276001 (UP)

نکہت فاطمہ

کسان اور مرغا

مرغے نے اپنا سینہ پھلایا، گلے میں ہوا بھری اور پھر بجائے اس کے کہ ککڑوں کوں کرے، زور سے چلّایا: ''اب میں بانگ نہیں دوں گا۔'' دانہ چگتی مرغیوں نے حیرت بھری نگاہ سے مرغے کو دیکھا۔ ایک مرغی بولی:

''واہ، واہ! اگر تم صبح بانگ نہیں دو گے تو اس کھیت کا بوڑھا مہربان کسان صبح سویرے بیدار کیسے ہوگا؟''

مرغے نے غرور کے ساتھ اپنے پر پھڑ پھڑائے اور بولا ''اب بانگ دینے کا میرا دل نہیں چاہتا اور نہ ہی میں دوں گا۔ کوئی بھی مجھے اس کام کے لیے مجبور نہیں کرسکتا۔''

پھر غصے سے مرغیوں سے بولا: ''تم سب بھی اچھی طرح کان کھول کر سن لو! کل سے کوئی بھی مرغی انڈا نہیں دے گی۔ ہمیں اس کسان کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے۔''

مرغے نے اتنا کہا اور خوشی خوشی کھیت کے دوسرے جانوروں کو بھی خبردار کرنے کے لیے چلا گیا۔

اگلی صبح کسان نیند سے بیدار ہوا۔ جب اس نے باہر نظر ڈالی تو دیکھا کہ سورج سر پر چڑھ آیا تھا لیکن روز کی طرح مرغے کی بانگ کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کسان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور گھر کے باہر آیا۔ اس کی لڑکی ایک کونے میں مرغے کو دانہ ڈال رہی تھی۔ مرغا کنکھیوں سے کسان کو دیکھ رہا تھا۔ کسان کی لڑکی نے باپ کو سلام کیا، کسان نے شفقت سے بیٹی کے سلام کا جواب دیا اور حیرانی سے مرغے کو دیکھا۔ بولا:

''پیارے مرغے! صبح بخیر! تم نے مجھے نیند سے جگانے کے لیے آج بانگ کیوں نہیں دی؟ کیا تم بانگ دینا بھول گئے ہو؟''

مرغا ڈھٹائی سے بولا ''ککڑوں کوں! دیکھو! میں بانگ دینا نہیں بھولا ہوں۔ لیکن اب مجھے یہ کام پسند نہیں۔''

کسان نے دکھ اور حیرانی سے کہا ''تمھیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ اگر بانگ نہیں دو گے، میں صبح سوتا رہ جاؤں گا اور کھیت کے سارے کام پڑے رہ جائیں گے۔''

پھر اس نے جلدی سے بالٹی اٹھائی اور بھینس کا دودھ

دوہنے چلا گیا۔لیکن مرغا تو پہلے سے ہی بھینس سے گفتگو کر چکا تھا۔ جیسے ہی بھینس نے دیکھا کہ کسان ہاتھ میں بالٹی اٹھائے اس کی طرف آرہا ہے، بولی''آہا! کسان صاحب! یہاں آنے کی زحمت مت کریئے، آج تو میرے پاس دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔''

کسان نے تعجب سے پوچھا: کیا مطلب؟ ''کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ تیرے پاس دودھ نہ ہو؟''

کسان پریشان حالت میں مرغیوں کے ڈربے کی طرف بڑھا۔لیکن مرغا مرغیوں کو بھی خبردار کر چکا تھا اور مرغیوں نے بھی کسان کو انڈے دینے سے انکار کر دیا۔

حیران کسان گھوڑے کے اصطبل کی طرف گیا تاکہ ہل باندھ کر گھوڑے کو کھیت کی جتائی میں لگا سکے۔لیکن گھوڑا بھی دوسرے جانوروں کا ہم خیال ہو چکا تھا۔ کسان کو دیکھتے ہی زور سے ہنہنایا اور بولا''کسان بھائی! آج سے میں کچھ کام نہیں کروں گا۔''

کسان حیرت زدہ رہ گیا اور بڑبڑایا''آج کا دن ہی خراب ہے۔''

سوچ میں غرق کسان کتے کی تلاش میں نکلا۔ کتا اپنا سر ہاتھوں پر ٹکائے اونگھ رہا تھا۔ کسان کے آنے کی آہٹ سنتے ہی ایک آنکھ کھول کر بولا''اس سے پہلے کہ تم کچھ کہو، میں یہ بتادوں کہ آج سے میں بھیڑوں کو چرانے نہیں لے کر جاؤں گا۔تم ذرا بھی اصرار مت کرنا۔''

اب کسان کو غصہ آ گیا اور چلایا''اچھا، تو اب تو، یعنی میرا وفادار کتا بھی سرکشی کر رہا ہے۔'' اسی وقت کسان کی نظر اپنی موٹی تازی بلّی پر پڑی جو دھوپ میں بیٹھی اونگھ رہی تھی۔ حیران و پریشان کسان نے اس سے کہا:

''چوہے گودام میں جشن منا رہے ہیں اور تو یہاں بیٹھی اونگھ رہی ہے۔''

بلّی نے آرام سے آنکھیں کھولیں۔ بولی: ''آج سے پہلے تک میں اتنا زیادہ چوہوں کے پیچھے دوڑ لگا چکی ہوں کہ اب بری طرح تھک گئی ہوں۔ مجھ سے اب چوہے پکڑنے کے لیے مت کہو۔''

تھکا ہارا کسان آخر کار بھیڑوں کے باڑے کے پاس گیا۔ ایک اونی روئیں دار بھیڑ اسے دیکھتے ہی آگے بھاگی، بھیں بھیں کر کے بولی: ''آج ہم تم کو اپنا اون کترنے کی

اجازت نہیں دیں گے۔''
کسان نے دکھی ہوکر کہا: ''کیا مطلب؟ لیکن کیوں؟''
بھیڑ نے اکھڑ پن سے جواب دیا ''اس لیے کہ ہمارا دل نہیں چاہ رہا۔''
کسان غصے سے بڑبڑایا۔ ''کچھ کرنا پڑے گا۔'' وہ پریشان اور غمگین حالت میں ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی بیٹی آئی اور بولی: کیا ہوا ابا جان؟ اتنے پریشان کیوں ہیں؟''
دکھی کسان بولا: ''اگر ہر روز صبح کے وقت مرغا بانگ نہ دے، بھینس دودھ نہ دے، مرغیاں انڈے نہ دیں، گھوڑا کام نہ کرے، کتا بھیڑوں کو چرانے کے لیے نہ لے کر جائے، بھیڑ اون نہ دیں اور بلی بھی چوہوں کا شکار نہ کرے تو میں کیا کروں گا؟''
کسان کی بیٹی نہایت اطمینان سے بولی: ''ٹھیک ہے، آپ بھی ان سب کو کھانا مت دیجیے۔''
کسان نے ایک لمحہ کچھ سوچا، سر ہلایا اور کہا ''ٹھیک ہے تم صحیح کہہ رہی ہو۔ یہ ان سب کو سیدھا کرنے اور راستہ پر لانے کا بہترین طریقہ ہے۔''
کسان نے فوراً یہ خبر کھیت کے تمام جانوروں کو پہنچا دی۔ ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ تمام جانوروں کے شور و غل سے آسمان گونجنے لگا۔ بلی کسان کے پاس بھاگتی ہوئی آئی اور میاؤں میاؤں کرتے ہوئے بولی: ''پیارے کسان! ابھی چوہوں کی تلاش میں جاتی ہوں۔ وعدہ کرتی ہوں کہ شام ہونے سے پہلے ہی آپ کو گودام میں ایک بھی چوہا نظر نہیں آئے گا۔''
تمام بھیڑیں بھی ایک ساتھ چلّائیں۔ ''ہم اتنا زیادہ اون دیں گے کہ آنے والی کئی سردیوں کے لیے تمھارے اونی لباس تیار ہوجائیں گے۔''
مرغیاں کُڑکُڑ کرتی بولیں ''ہم بھی اتنے زیادہ انڈے دیں گی کہ انھیں بیچ کرتم بہت دولت مند بن جاؤ گے۔''
گھوڑا ہنہناتا ہوا تیزی سے ہل کے پیچھے پیچھے گیا تاکہ کھیت جوت سکے۔ کتا بھونکتا ہوا بھیڑوں کو آمادہ کررہا تھا تاکہ انھیں چرانے کے لیے جنگل لے جائے۔
بھینس بلند آواز میں ڈکرائی ''آہا، کسان بھائی! آؤ، سب سے پہلے میرا دودھ دوہ لو۔''
لیکن مرغا ابھی بھی خاموشی سے ایک کونے میں بیٹھا اپنے کان کھجا رہا تھا۔ کسان اس سے مخاطب ہوکر بولا: ''کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے، تو بانگ دے یا نہ دے۔ میں آج شام ہی بازار سے اپنے لیے ایک الارم گھڑی خرید لاؤں گا، تاکہ صبح اس کے الارم کی آواز سے میں نیند سے جاگ جاؤں۔ لیکن پھر بھی مجھے تیری بانگ کی آواز سے نیند سے بیدار ہونا اچھا لگتا ہے۔''
مرغا کچھ دیر بغور سوچتا ہوا ٹہلتا رہا۔ تمام جانور اس کی طرف دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ دیکھیں اب وہ کیا کرتا ہے؟ اچانک مرغا تیزی سے دیوار کی منڈیر پر چڑھا، اپنے پر پھڑپھڑائے، گلے میں ہوا بھری، سینہ پھلا کر آگے گیا اور پھر ککڑوں کوں ککڑوں کوں کی آواز سے گھر اور کھیت گونجنے لگا۔ اب کسان خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ چہکتا ہوا بولا ''ہاں، بالکل یہی وہ آواز ہے، جسے میں پسند کرتا ہوں۔''
کسان نے تمام جانوروں کو پیار کیا اور ان کو بہترین دانہ اور کھانا دیا۔

■

Dr. Nikhat Fatema
C-9, H-Park, Behind Neera Hospital
Mahanagar Extension
Lucknow - 226006 (UP)

شمس الدین شمس جھاجھوی

ناکامیابی: کامیابی کا پہلا زینہ

آج حسنین اور نورعین کے ششماہی امتحان کے رزلٹ کا دن تھا۔ ایک آٹھویں تو دوسرا ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ دونوں بھائی اسکول سے رزلٹ کارڈ لے کر گھر آئے۔ حسنین اپنی جماعت میں پاس ہوگیا تھا۔ وہ خوشی سے پھولے نہیں سمارہا تھا۔ لیکن نورعین کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ گھر آیا اور کمرے میں بند ہوکر زور زور سے رونے لگا۔ رونے کی آواز سن کر ان کی ماں باورچی خانے سے دوڑتی ہوئی آئی اور دروازہ کھول کر نورعین سے رونے کی وجہ پوچھنے لگی۔ ''نورعین! کیوں رو رہے ہو؟''

''امی جان! میں اپنی جماعت میں سب سے کم نمبر لایا ہوں۔'' نورعین اپنی ماں کو رزلٹ کارڈ دکھاتے ہوئے بولا۔

''اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ناکامیابی تو کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔ اور پھر سالانہ امتحان میں ابھی چھ مہینے ہیں۔ محنت اور من لگا کر پڑھو گے تو ان شاء اللہ، دونوں بھائی اوّل درجے سے پاس کرو گے۔''

''نہیں امی جان! میرا ہی سب سے کم نمبر ہے۔ سالانہ امتحان میں بھی اپنی جماعت کے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا۔'' نورعین نے روتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو نورعین! تم اپنا دل چھوٹا مت کرو۔ میں دونوں بھائیوں کے لیے مٹھائی لاتی ہوں۔ ان کی ماں یہ کہتی ہوئی باورچی خانے گئی اور مٹھائی لاکر دونوں بھائیوں کو دی۔ لیکن نورعین ابھی بھی رو رہا تھا۔ تبھی ان کی ماں دونوں بھائیوں کو باورچی خانے میں لے گئی اور چونٹیوں کو دیوار پر چڑھتے اور گرتے ہوئے دکھایا اور بولی ''دیکھو! یہ سب چونٹیاں جو چینی کے دانے لے کر دیوار سے گر رہی ہیں اور کچھ چونٹیاں دیوار پر چڑھتی ہوئیں سوراخ یعنی وہ اپنے گھر تک پہنچ بھی گئیں ہیں۔''

''ہاں امی جان! میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ چونٹیاں چینی کے دانے کے ساتھ دیوار پر سے نیچے گر رہی ہیں۔ امید ہے کہ وہ سب چونٹیاں چینی کے دانے اپنے گھر تک لے جانے میں

ضرور کامیاب ہوجائیں گی۔" نورعین نے اپنی ماں سے کہا۔

"بہت خوب، تم نے صحیح سمجھا کہ چونٹیوں کے کئی بار اوپر سے گرنے اور پھر اوپر چڑھنے کے بعد آخر چینی کے دانے لے کر وہ سب اپنی منزل تک پہنچ ہی جاتی ہیں۔" ان کی ماں یہ کہتی ہوئی دونوں بھائیوں کو باورچی خانے سے لے کر باہر آتی ہے تب تک ان کے ابو جان بھی گھر آ گئے اور حسنین و نورعین کے رزلٹ کے بارے میں ساری باتیں جانتے ہوئے بولے "بیٹے تم لوگ تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہوگے کہ کس طرح لوگوں نے اپنی محنت، لگن اور کوشش سے عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ ایورسٹ کو سر کرنا ہو، چاند پر پہنچنا ہو یا پھر خلا کے راز جاننے ہوں، ہمارے عظیم لوگوں نے اپنی کوشش سے سارے کام انجام دے ڈالے اور ابھی بھی ایسے جیالے ہیں جو اپنی اپنی دلچسپی کے میدانوں میں کوششیں کر رہے ہیں اور یقیناً کامیابی ان کے قدم چومے گی اِس لیے بچو کبھی بھی زندگی میں ہار نہیں ماننی چاہیے۔ تم دل لگا کر پڑھائی کرو پھر دیکھنا سالانہ امتحان میں اچھے نمبر آئیں گے۔ ہاں امی جان! ہم لوگ بھی کڑی محنت اور لگن کے ساتھ سالانہ امتحان کی تیاری کر کے اوّل درجے سے پاس کریں گے۔" حسنین نے کہا۔

شاباش میرے بیٹے! اللہ تم دونوں بھائیوں کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیاب بنائے۔" ان کی ماں دونوں بھائیوں کو دعائیں دیتی ہوئی بولی۔

جب سالانہ امتحان کا رزلٹ آیا تو حسنین اور نورعین دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے کلاس میں اوّل درجے سے کامیابی حاصل کی۔ دونوں رزلٹ کارڈ لے کر گھر پہنچے اور اپنی ماں سے لپٹ کر کہنے لگے "ہاں ماں، یہ باتیں بالکل صحیح ہیں کہ ناکامیابی کامیابی کا پہلا زینہ ہے۔"

■

Shamsuddin Shams Jhajhwee
At- Purani Bazar
Po- Jhajha - 811308
Distt Jamui (Bihar)

جوابات

جواب: (1) اللہ تعالیٰ (2) زبان (3) بلب (4) جگنو (5) تربوز (6) ہوائی جہاز (7) ناریل (8) سورج

حیدر بخش حیدری

پانچویں قسط

قصہ حاتم طائی

اب تک آپ نے پڑھا کہ

ملک یمن میں بادشاہ طے کا شریف اور سخی بیٹا حاتم تھا۔ وہ لوگوں کی بھلائی اور دوسروں کی مدد کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتا تھا۔ خراسان کے ایک سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کی خوب صورتی کے چہار سو چرچے تھے۔ برزخ نے مرنے سے پہلے اپنی بیٹی بادشاہ کو سونپ دی تھی۔ حسن بانو بڑی نیک دل تھی۔ اس نے اپنے سوداگر باپ کی دولت دونوں ہاتھوں سے تقسیم کرنی شروع کردی۔ یہ دیکھ کر اس کی دایہ نے اُسے روکا کہ ابھی تمہاری بہت لمبی عمر ہے ایسے دولت نہ ختم کرو۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک شریک حیات کا انتخاب کرو۔ اچھے قابل اور بہادر انسان کی تلاش کے لیے سات سوال کرو۔ جو نوجوان سارے سوالات حل کرلے اُس سے شادی کرو اور چین وسکون کی زندگی گزارو۔ اسی بیچ ایک جعلی بزرگ نے حسن بانو کی ساری دولت لوٹ لی۔ حسن بانو نے جب بادشاہ سے شکایت کی تو بادشاہ نے اسے جھوٹا قرار دے کر شہر سے نکال دیا۔ حسن بانو اور اس کی بوڑھی دایہ ایک جنگل میں رہنے لگے۔ ایک رات حسن بانو کو خواب میں نظر آیا کہ جس درخت کے نیچے وہ سو رہی ہے وہاں سات بادشاہتوں کا خزانہ گڑا ہے۔ حسن بانو نے اٹھ کر دایہ کو اپنا خواب بتایا اور دونوں نے اس خزانے کو حاصل کیا اور جنگل میں عالی شان محل بنا کر رہنے لگیں۔ کچھ دنوں بعد حسن بانو نے ایک لڑکے کا بھیس بدلا اور خراسان کے بادشاہ سے ملاقات کی اور اپنی عقل مندی سے اُس جعلی پیر کی حقیقت سب کے سامنے لادی۔ بادشاہ یہ سب جان کر بہت شرمندہ ہوا اور حسن بانو کی ساری دولت واپس کردی۔ حسن بانو اب ہنسی خوشی رہنے لگی اور اللہ کی راہ میں اپنی

دولت لٹانے لگی۔ شہر خوارزم کے شہزادے منیر شامی کو بھی حسن بانو کے حسن اور سخاوت کا علم ہوا۔ وہ حسن بانو کی محبت میں گرفتار ہو کر حسن بانو سے ملنے آ پہنچا اور اس سے شادی کی خواہش ظاہر کی۔ حسن بانو نے شرط رکھی کہ میرے ساتوں سوالوں کا جواب لا دو پھر میں تم سے شادی کروں گی۔ منیر شامی نے پہلا سوال دریافت کیا اور جواب ڈھونڈھنے نکل پڑا لیکن وہ ناکام رہا۔ اس کی ملاقات حاتم سے ہوتی ہے۔ حاتم اسے دلاسا دیتا ہے اور حسن بانو کے پاس منیر شامی کو رکھ کر وہ پہلے سوال کا جواب لانے نکل پڑتا ہے۔

حاتم ایک جنگل میں پہنچا جہاں اُسے ایک ہرنی ملتی ہے۔ حاتم نے ایک بھیڑیے سے ہرنی کی جان بچائی اور آگے نکل گیا۔ اُس نے بعد میں ایک گیدڑ کی بھی مدد کی۔ گھنے جنگلوں میں حاتم ریچھوں سے گھر جاتا ہے۔ ریچھ کے بادشاہ نے اپنی بیٹی سے حاتم کی شادی کر دی۔ کچھ مہینوں کے بعد حاتم نے وہاں سے دشت ہویدا کی راہ لی جہاں اسے پہلے سوال کا جواب ملنا تھا۔ بڑی مشکل سے حاتم دشت ہویدا پہنچا اور اس شخص سے ملاقات کی جو جنگل میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اس کی مشکل آسان کر دی اور پہلے سوال کا جواب تلاش کر لیا۔ حاتم واپس حسن بانو کے پاس آیا اور اُس سے دوسرا سوال پوچھا اور اس کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم دوسرے سوال نیکی کر اور دریا میں ڈال کا جواب لانے نکل پڑا۔ راستے میں اُسے ایک نوجوان ملا۔ حاتم نے اپنی بہادری سے اس کی مشکل حل کی اور اس کی شادی کرائی۔ اس کے بعد حاتم آگے بڑھا۔ راستے میں اس نے ایک بستی والوں کو ایک بلا سے نجات دلائی۔ ایک شہزادی کو جن سے آزاد کرایا اور اس شہزادی سے شادی کر لی۔ اب آگے:

شادی کے بعد حاتم یوسف سوداگر کے کام کے لیے چین کی جانب چل پڑا اور یوسف سوداگر کی دولت زمین سے نکال کر خیرات کی اور اُس کو عزیزوں میں تقسیم کر دی۔ واپس وہ یوسف سے ملنے آیا جہاں اب اس کی سزا ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد حاتم نے سات چوروں کی مدد کی اور انھیں دولت دے کر چوری سے باز آنے کو کہا۔ حارس کی بیٹی کو جا کر بتایا کہ تیرے دو سوال پورے ہو چکے ہیں اور تیسرا سوال بتا۔ حاتم نے جلدی سے تیسرا سوال بھی پورا کر دیا اور حارس کی بیٹی نے وعدے کے مطابق سوداگر کے لڑکے سے شادی کر لی۔ اس کے بعد حاتم نے نیکی کر اور دریا میں ڈال کا بھید معلوم کیا اور واپس جا کر حسن بانو سے ملا اور تیسرے سوال ''کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔'' کا جواب لانے نکل پڑا۔

حاتم جب تیسرے سوال کا جواب لانے نکلا تو اسے کافی دیر چلنے کے بعد ایک بڑا پہاڑ دکھائی دیا جس پر ایک نوجوان پریشان حال کھڑا تھا۔ حاتم نے اس کا حال دریافت کیا اور اس کی پریشانی دور کی۔ اُس کے بعد حاتم نے دو جنوں کا مسئلہ حل کیا اور آگے بڑھا۔ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کے بعد حاتم اپنی منزل پر پہنچتا ہے جہاں ایک نابینا بوڑھا آدمی موجود تھا جو چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ کسی سے بدی نہ کر۔ اگر کرے گا تو وہی پائے گا۔ حاتم نے اس کی داستان سنی اور نور ریز گھاس کا عرق لا کر اُس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اُس کی آنکھوں کی روشنی واپس آ گئی۔ حاتم نے اسے خدا حافظ کہا اور واپس حسن بانو کے پاس پہنچا اور چوتھا سوال بتانے کی درخواست کی... اب آگے

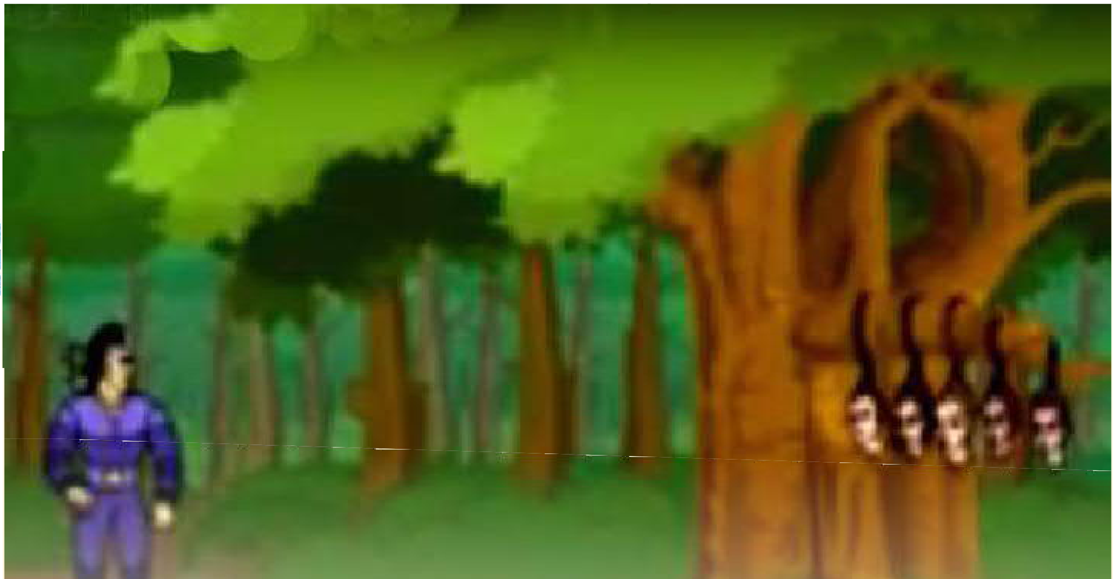

چوتھا سوال
سچے کو ہمیشہ راحت ہے

حسن بانو نے کہا ''اے حاتم! شہر خوارزم میں کوئی شخص لگا تار یہ کہتا رہتا ہے کہ ''سچے کو ہمیشہ راحت ہے۔'' میرا سوال یہ ہے کہ اُس نے کیا سچ بولا اور اس کے بدلے کیا راحت پائی؟''

حاتم نے کہا ''اللہ مددگار ہے۔ اس کے کرم سے تین سوالوں کے جواب ملے۔ اُسی کی مدد سے چوتھے سوال کا جواب بھی ملے گا۔ میں فوراً اس کام کے لیے روانہ ہوتا ہوں۔''

حاتم شاہ آباد سے نکلا اور چلتے چلتے ایک پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک دریا زور شور کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ پانی کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا۔ حاتم اس کا راز جاننے کے لیے کنارے کنارے چلا۔ آگے جا کر دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک درخت ہے جس میں کٹے ہوئے بہت سے سر لٹکے ہیں۔ اُن سے خون ٹپکتا ہے اور پانی میں مل جاتا ہے۔ سارے سر پریوں کے تھے۔ سب سے اونچی شاخ پر جو سر تھا وہ سب سے خوب صورت تھا۔

حاتم ان سروں کو غور سے دیکھ رہا تھا کہ سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ سب جادو کے کھیل ہیں۔ اس نے طے کر لیا کہ جب تک یہ بھید نہ کھلے گا وہ آگے نہ بڑھے گا۔ اس طرح شام ہوگئی۔ سارے سر ایک ایک کر کے دریا میں گر پڑے اور اپنے اپنے دھڑ سے جڑ کر زندہ ہوگئے۔ ذرا دیر میں دریا کی سطح پر ایک محفل جم گئی۔ ناچ رنگ کا پروگرام شروع ہوگیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا اور طرح طرح کے کھانے چنے گئے۔ ایک خوان حاتم کے سامنے بھی آیا مگر اس نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا ''پہلے مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ تب لقمہ توڑوں گا۔'' جو پری خوان لے کر آئی تھی وہ گئی اور پھر آ کر بولی ''اس وقت تم کھانا کھا لو۔ صبح کو ہماری ملکہ تمھیں سب کچھ بتا دیں گی۔'' دسترخوان اٹھ گیا تو پھر ناچ رنگ شروع ہوگیا۔ دن نکلنے تلک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ صبح کو سارے سر جسموں سے الگ ہو کر پھر اُسی درخت کی شاخوں میں جا لٹکے۔

دوسری شام ہوئی تو کھانے کے بعد ایک پری حاتم کو ملکہ

کے پاس لے گئی۔ حاتم نے دریا کی سطح پر پیر رکھا تو وہ دھنستا چلا گیا۔ یہاں تک کہ زمین سے جا ٹکا۔ اب نہ وہ دریا تھا، نہ وہ محفل، نہ وہ درخت۔ ایک لق و دق میدان تھا جس کا اور چھور دکھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا اور سمجھا کہ موت یہاں لے آئی ہے۔ اتنے میں خواجہ خضر نظر آئے۔ حاتم سے بولے ''تونے یہ کیا حال بنایا ہے؟ اللہ نے تیری مدد کے لیے بھیجا ہے۔ بول کیا چاہتا ہے؟''

حاتم نے کہا ''بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے والے بزرگ! پہلے یہ بتائیے کہ یہ کیا جگہ ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچا اور وہ سر کیسے تھے؟'' حضرتِ خضر نے فرمایا ''اس صحرا کا نام خبر پرس ہے جس دریا کی سطح پر تو نے قدم رکھا تھا وہ سب جادو کا کھیل ہے۔ احمر جادوگر نے اپنی بیٹی کو قید کرنے کے لیے یہ طلسم بنایا ہے۔ وہ لڑکی باپ کی مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتی تھی اس لیے باپ نے اُسے یہ سزا دی ہے۔'' حاتم نے کہا ''اے حضرت! مجھے وہ پری بہت پسند آئی۔ مجھے کسی طرح اُس کے پاس پہنچا دیجیے۔''

حضرتِ خضر نے کہا ''اے جوان! میرا عصا پکڑ کر آنکھیں بند کرلے۔'' حاتم نے ایسا ہی کیا اور پلک جھپکتے اُسی درخت کے پاس جا پہنچا۔ اِس بار حاتم نے سوچا اس درخت پر چڑھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر حاتم اس کے نیچے آیا۔ ایک دم ایسا لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ ایک تڑاقے کی آواز کے ساتھ درخت پھٹ گیا اور حاتم اس میں سما گیا۔ اتنے میں خواجہ خضر پھر تشریف لائے۔ انھوں نے درخت میں عصا مارا تو وہ موم کی طرح نرم ہو گیا اور حاتم باہر نکل آیا۔ حضرت نے کہا ''حاتم! تو خواہ مخواہ کیوں موت کو دعوت دے رہا ہے۔''

حاتم نے کہا ''میں احمر جادوگر کی بیٹی شہزادی زرّیں پوش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' حضرتِ خضر نے فرمایا ''نادان! اِس خیال سے باز آ۔ جب تک احمر جادوگر زندہ ہے وہ اس کی شادی نہ ہونے دے گا۔ تو بیکار اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔'' حاتم نے کہا ''میں اس سے شادی ضرور کروں گا۔ اگر اِسی طرح

موت آنی ہے تو یوں ہی سہی۔ میں بزدل نہیں کہ موت سے ڈر جاؤں۔'' حضرت خضر نے دیکھا کہ حاتم دُھن کا پکا ہے کسی طرح باز نہیں آتا تو اسے اسمِ اعظم سکھا دیا تاکہ کوئی جادو اثر نہ کر سکے۔ اور پھر اسے احمر جادوگر کے ملک میں پہنچا دیا۔

احمر کا ملک کوہِ احمر کہلاتا تھا اور وہاں سوائے ایک اونچے پہاڑ کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ حاتم پہاڑ پر چڑھنے لگا مگر ایک ایک پیر من من بھر کا ہو گیا۔ چلنا دشوار تھا۔ لیکن اسمِ اعظم پڑھنے سے منزل آسان ہو گئی اور حاتم چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں ایک صاف ستھرا میدان ملا جس میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ چاروں طرف میووں سے لدے ہرے بھرے درخت تھے۔ حاتم نے نہا دھو کر اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔

اُدھر احمر جادوگر کو اپنی جادو کی کتاب سے حاتم کے آنے کا حال معلوم ہوا۔ اُس نے سوچا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے جس سے حاتم اسمِ اعظم بھول جائے۔ یہ سوچ کر اس نے جادو کے زور سے جھوٹ موٹ کی پریاں بنائیں۔ ان میں ایک پری زرّیں پوش کی شکل کی تھی۔ پریوں کے اِس غول نے حاتم کو گھیر لیا۔ وہ پری حاتم کے پاس جا بیٹھی جو زرّیں پوش کی صورت کی تھی۔ خوشی سے حاتم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اس نے اسم اعظم پڑھنا بند کر دیا۔ جادوگر کی ترکیب کارگر ہو گئی اور اس نے حاتم کو پکڑوا کے آگ کے کنویں میں ڈلوا دیا۔ لیکن مہرے کی وجہ سے حاتم محفوظ رہا۔ یہ بات جادوگر کو بھی معلوم ہو گئی۔ اب اُس نے دوسری ترکیب کی۔ اُس نے حاتم کو آزاد کر دیا اور جادو کی پری سے کہا کہ کسی طرح وہ مہرہ چھین لے۔

نقلی زرّیں پوش حاتم کے پاس آ بیٹھی اور پیار محبت کی باتیں کر کے مہرہ اُس سے مانگا۔ حاتم مہرہ دینے والا ہی تھا کہ کسی نے للکار کر کہا ''ارے نادان! یہ کیا کرتا ہے۔ اگر تو نے مہرہ دے دیا تو تیری جان کی خیر نہیں۔ یہ زرّیں پوش نقلی ہے اور احمر نے جادو کے زور سے بنائی ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما لے۔ اسم اعظم پڑھ۔ اگر یہ اصلی ہے تو بیٹھی رہے گی۔ ہے تو ختم ہو جائے گی۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اسمِ اعظم پڑھنے لگا تو پری کانپنے لگی اور دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہو گئی۔

جادوگر سے اور کچھ نہ بن پڑا تو شیطان سے مدد مانگی۔ پہلے تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ ''اسمِ اعظم کے آگے میرا زور نہیں چل سکتا۔'' لیکن آخر کار مدد کرنے کو راضی ہو گیا اور سوتے میں حاتم کو ایسے سہانے خواب دکھائے کہ وہ میٹھی نیند سوتا رہا۔ یہاں تک کہ جادوگر کے چوکیداروں نے اُسے قید کر دیا۔ حاتم کو ہوش آیا تو اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر ایک چوکیدار کو اشارے سے پاس بلایا اور کہا ''اگر تو مجھے اِس قید سے آزاد کر دے تو بڑا انعام دوں۔'' اس نے کہا ''اگر مہرہ دے دو تو آزاد کرتا ہوں۔'' حاتم راضی ہو گیا اور چوکیدار نے اُسے آزاد کر دیا۔ حاتم پھر غسل کر کے اسم اعظم پڑھنے لگا۔

احمر کو پتہ چلا تو اس نے جادو سے اس چوکیدار کو بھسم کرنا چاہا مگر حاتم اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر اس کا بچاؤ کرتا رہا۔ اب حاتم نے سوچا اِس طرح کام نہ چلے گا۔ خود احمر کی طرف چلو۔ یہ سوچ کر وہ اسم اعظم پڑھتا ہوا احمر کی طرف چلا۔ وہ چوکیدار بھی جس کا نام سرنگ تھا اس کے ساتھ ہو لیا۔ احمر کو پتہ چلا کہ حاتم بڑھا چلا آتا ہے تو وہ بھی اپنے لاؤ لشکر کو لے کر شہر سے باہر نکلا اور جادو کے منتر پڑھنے لگا۔

جادو کے زور سے گھنگھور گھٹا اٹھی، بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر سرنگ خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور حاتم سے بولا ''ہوشیار ہو جا۔ یہ سب احمر کے جادو کا کرشمہ ہے۔'' حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا۔ احمر کا جادو الٹا اسی کے

سر جا پڑا۔ اب تو احمر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ حاتم سے جیتنا مشکل ہے۔ اب اس نے دوسرا وار کیا۔ جادو کے زور سے اس نے ایک پہاڑ بنایا۔ یہ پہاڑ حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ سرنک نے اُسے پھر خبردار کیا۔ حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر احمر کے لشکر پر جا پڑا۔ چار ہزار جادوگر ہلاک ہو گئے۔

یہ دیکھ کر احمر گھبرایا اور بھاگ نکلا۔ حاتم نے پیچھا کیا تو احمر نے پھر جادو کا وار کیا۔ اِس بار چار اژدہے پیدا ہو کر حاتم کی طرف لپکے مگر اسمِ اعظم کی تاثیر سے انھوں نے لوٹ کر احمر کے ساتھیوں کو ہی ہڑپ کر لیا۔ جو بچے وہ احمر کو اکیلا چھوڑ بھاگے۔ جب وہ بھاگنے لگے تو احمر غصے سے بپھر گیا۔ اس نے جادو سے ان سب کو درخت بنا دیا۔ اب جادوگر بری طرح بوکھلا چکا تھا۔ وہ ایک طرف کو اڑا چلا گیا۔ سرنک نے حاتم کو بتایا کہ ’اب وہ اپنے استاد کملاق جادوگر کے پاس گیا ہے۔ وہ اتنا بڑا جادوگر ہے کہ اس نے جادو سے ایک آسمان اور اس کے چاند ستارے بنائے ہیں۔ اس نے یہاں سے تین سو کوس پر ایک پوری بستی بسائی ہے جس میں چالیس ہزار جادوگر رہتے ہیں اور کملاق کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔“

حاتم نے کہا ”وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تو بس ایک ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اُسی کے کرم سے مجھ پر کسی جادو کا اثر نہ ہوا۔“ سرنک بولا ”آج سے میں بھی اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اب تمھارا غلام ہوں۔ تم جو حکم دو گے بجا لاؤں گا۔ لیکن چلنے سے پہلے ایک کام کرو۔ یہ جو سامنے ہزاروں درخت نظر آتے ہیں یہ سب جادوگر ہیں۔ یہ احمر کے ساتھی تھے اور اُسے چھوڑے جاتے تھے۔ احمر نے جل کر انھیں درخت بنا دیا۔ تجھ سے بن پڑے تو انھیں قید سے نجات دلا دے۔ یہ سب تیرے جان و مال کو دعا دیں گے۔“

حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو وہ سب اپنی اپنی شکل

میں آگئے۔سب نے حاتم کا شکریہ ادا کیا اور حاتم کے منع کرنے کے باوجود اس کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں ایک تالاب نظر پڑا۔سب پیاسے تھے۔سب نے جی بھر کر پانی پیا۔احمر بھاگتے بھاگتے اس پر جادو کر گیا تھا۔ جادو کا اثر یہ ہوا کہ سب کے ناخنوں سے خون بہنے لگا اور سب کے جسم پھول گئے۔ حاتم بہت پریشان ہوا۔ آخر اس نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو ناخنوں سے خون بہنا بند ہو گیا۔ دوبارہ پڑھ کر پھونکا تو سوجن دور ہو گئی۔ پھر اس نے اسمِ اعظم پڑھ کر تالاب پر پھونکا۔ جادو کا اثر جاتا رہا۔ حاتم نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔

اُدھر احمر کے ساتھ یہ بیتی کہ جب کچھ نہ بن پڑا تو بھاگا بھاگا اپنے استاد کے پاس پہنچا۔ اُسے ساری داستان سنائی۔ کملاق کو اپنے شاگرد کی بے عزتی کا حال معلوم ہوا تو طیش میں آ گیا۔ اُسے دلاسہ دینے لگا۔ ''بولا'' گھبرا مت۔ میں حاتم کو باندھ کر ابھی تیرے حوالے کیے دیتا ہوں۔'' اس نے اپنے پہاڑ کے چاروں طرف جادو کی آگ بھڑکا دی۔ حاتم وہاں پہنچا تو آگ کی اونچی دیوار دکھائی دی۔ حاتم نے اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تو آگ بجھ گئی۔ یہ دیکھ کر کملاق نے پھر جادو کیا۔ اس بار پہاڑ کے چاروں طرف ایک دریا ابل پڑا اور حاتم کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بولے'' یہ جادو کا دریا ہے۔ یہ ضرور ہمیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔'' حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا اور دریا غائب ہو گیا۔

کملاق نے تیسری مرتبہ منتر پڑھا تو دس دس من اور پانچ پانچ من کے پتھر برسنے لگے۔ حاتم کے آگے ایک پہاڑ سا بن گیا۔ حاتم نے پھر اسمِ اعظم پڑھا تو زور کی ہوا چلنے لگی۔ سارے پتھر اس ہوا میں اڑ گئے۔ اب کوہِ کملاق صاف دکھائی دینے لگا۔ حاتم اُس کی طرف بڑھنے لگا تو جادوگر نے پھر منتر پڑھا اور کوہِ کملاق نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ لیکن اسمِ اعظم کی برکت سے وہ پھر نظر آنے لگا۔ حاتم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر چڑھ گیا۔ کملاق نے کھیل بگڑتے دیکھا تو اپنے بنائے ہوئے آسمان پر چڑھ گیا۔ حاتم شہر میں داخل ہو گیا۔ بڑا خوب

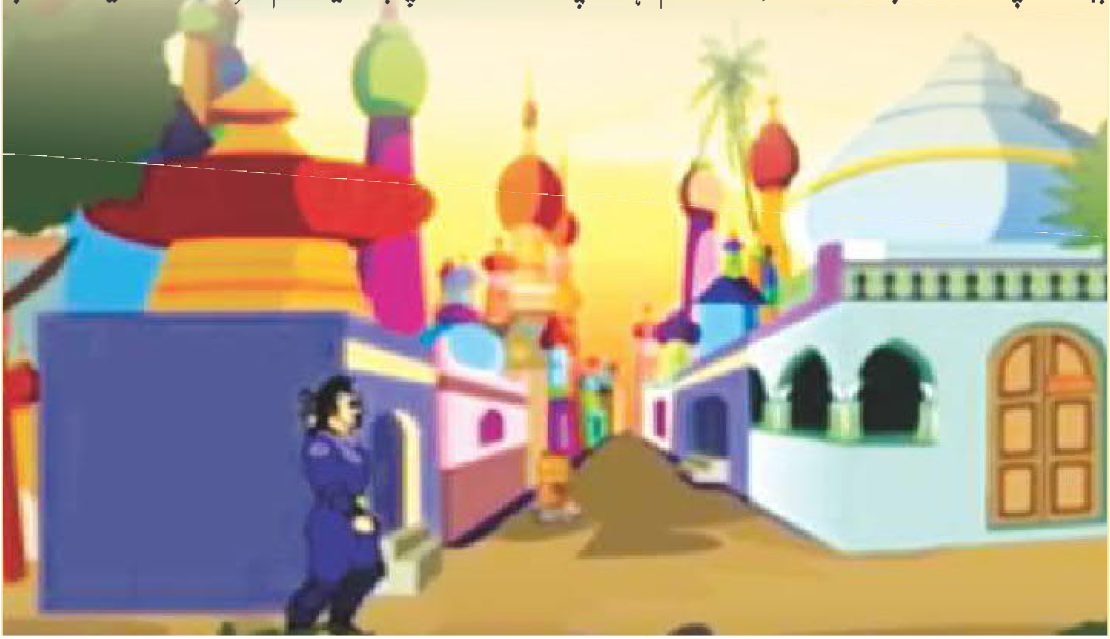

صورت شہر تھا۔ دکانیں سجی ہوئی تھیں مگر آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ معلوم ہوا کملاق سب کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ حاتم کے ساتھی بھوکے تھے۔ دکانوں میں کھانے کا سامان دیکھا تو ٹوٹ پڑے۔ کھاتے ہی سب کی ناکوں سے خون جاری ہو گیا۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ جادو کا اثر ہے۔ اسمِ اعظم پڑھ کر پھونکا تب اس کا اثر ختم ہوا۔

اب حاتم کو آسمان کی خبر لینی تھی۔ اُس نے اسمِ اعظم پڑھ پڑھ کر جادو کے آسمان کی طرف پھونکنا شروع کیا۔ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہاڑ پر گرنے لگا۔ ہزاروں جادوگر موت کی گود میں جا سوئے۔ احمر اور کملاق بھی نیچے آ پڑے اور اٹھ کر ایک طرف کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حاتم نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ دونوں گھبرا کر پہاڑ سے نیچے گر پڑے۔ ہڈیاں پسلیاں چکنا چور ہو گئیں۔ حاتم نے خدا کا شکر ادا کیا اور وہ سارا ملک سرنگ کے حوالے کر دیا۔ اس سے اور اس کے ساتھیوں سے وعدہ لیا کہ صرف خدا کے آگے سر جھکائیں گے اور خدا کے کسی بندے کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

اِس کام سے فارغ ہو کر حاتم اس دریا کی طرف چلا جس کے کنارے پریوں کے سر لٹکتے دیکھے تھے۔ وہاں پہنچا تو دیکھا نہ وہ درخت ہے، نہ دریا، نہ کٹے ہوئے سر۔ اس کی جگہ ایک خوب صورت محل ہے۔ چاروں طرف پریوں کا پہرہ ہے۔ یہ دروازے پر پہنچا۔ کنیزوں نے زرّیں پوش کو اطلاع دی تو اس نے اندر بلا کر عزت سے اپنے پاس بٹھایا۔ حاتم سے سارا قصہ سنایا۔ باپ کے مرنے کا پتہ چلا تو رو پڑی۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ اب قید سے تو نجات ملی۔ شادی کرنے کا اختیار ملا۔ آخر اپنی ہجولیوں کے مشورے سے حاتم سے شادی کر لی۔ حاتم نے شادی کے بعد زرّیں پوش کو اپنے گھر بھجوا دیا اور خود حسن بانو کے چوتھے سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے شہر خوارزم کی طرف روانہ ہو گیا۔

حاتم اپنے کام کی دُھن میں چلا جاتا تھا کہ ایک شہر میں جا نکلا۔ لوگوں سے پوچھا "بھائیو! یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو کہتا ہو، سچے کو ہمیشہ راحت ہے۔" لوگوں نے بتایا کہ ایک شخص نے یہ عبارت لکھ کر اپنے دروازے پر لگا رکھی ہے۔

حاتم پتہ پوچھتا پوچھتا اس کے دروازے پر جا پہنچا۔ سامنے وہ عبارت لکھی ہوئی تھی جس کی حاتم کو تلاش تھی۔ منزل پر پہنچ کر وہ بہت خوش ہوا۔ دروازے پر دستک دی۔ دربان باہر نکلے تو حاتم نے کہا ''مجھے تمھارے آقا سے ملنا ہے۔'' وہ اندر چلے گئے۔ پھر باہر آئے اور حاتم کو بڑی عزت کے ساتھ اندر لے گئے۔

اندر جا کر حاتم نے دیکھا کہ ایک خوب صورت جوان تکیہ لگائے قالین پر بیٹھا ہے۔ حاتم نے جھک کر آداب کیا۔ جوان نے اٹھ کر حاتم کو گلے لگایا اور بڑی محبت سے برابر بٹھا لیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے چنے گئے۔ کھانا کھانے کے بعد جوان نے محبت سے پوچھا ''اے عزیز! تم کون ہو اور اِدھر کیسے آنا ہوا؟'' حاتم نے آنے کا مقصد بیان کیا تو وہ بولا ''اے نوجوان! تیری ہمت کو شاباش کہ دوسروں کے لیے دکھ جھیلتا پھرتا ہے۔ اب آرام کر۔ سفر کی تھکن دور ہو جائے تو میں تجھے اپنی داستان سناؤں گا۔''

اگلی صبح ناشتے کے بعد اُس جوان نے اپنا حال حاتم کو سنایا۔ بولا ''برسوں پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنی ساری دولت جوئے میں اُڑا دی۔ نوبت فاقوں تک پہنچی تو سوچا کہ چوری کروں۔ پھر سوچا کہ چوری ہی کرنی ہے تو بادشاہ کے گھر کیوں نہ کی جائے۔ یہ سوچ کر شاہی محل پر کمند ڈالی۔ دربان بے خبر سوتے تھے۔ بادشاہ بھی گہری نیند کے مزے لیتا تھا۔ ایک قیمتی موتی جسے گوہرِ شب چراغ کہتے ہیں اُس کے گلے میں پڑا تھا۔ میں نے وہ اُتارا اور کمند کے ذریعے نیچے آ گیا۔ وہاں سے جنگل کی طرف چل دیا۔ ایک درخت کے نیچے کچھ چور بیٹھے چوری کا مال تقسیم کر رہے تھے۔ مجھ سے پوچھا ''تم کون ہو؟'' میں نے گوہرِ شب چراغ دکھا کر ساری کتھا سنا دی۔

یہ باتیں ہوتی تھیں کہ کسی نے دور سے للکارا۔ سب چور بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں وہیں کھڑا رہا۔ اتنے میں ایک بزرگ قریب آئے اور مجھ سے پوچھا ''تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: اللہ نے تجھے نوسو برس کی عمر دی ہے۔ لے یہ دولت تیری ہے مگر آج سے جوئے اور چوری سے توبہ کر۔'' میں نے توبہ کر لی اور جنگل میں ایک شاندار محل بنوا کر رہنے لگا۔ لوگوں نے میرے ٹھاٹھ دیکھے تو کوتوال سے جا کر کہا کہ پتہ نہیں کہاں سے دولت لوٹ لایا ہے کہ عیش کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے سارا قصہ سچ سچ بتا دیا۔ وہ مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ بھی میری سچائی سے بہت خوش ہوا اور انعام دے کر مجھے رخصت کیا۔ اس دن سے میں سچائی کی قدر کرنے لگا اور یہ عبارت لکھوا کر دروازے پر لگا دی۔''

حاتم نے جواں مرد کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اجازت لے کر رخصت ہوا۔ شاہ آباد پہنچ کر حسن بانو کی حویلی میں پہنچا اور سفر کا سارا حال سنایا۔ حسن بانو نے سن کر کہا ''اے حاتم! تو نے جو کچھ کہا سب سچ ہے۔'' اب حاتم سرائے میں آیا اور منیر شامی سے گلے ملا۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگلے دن حاتم پھر حسن بانو کے پاس گیا اور اس سے پانچواں سوال پوچھا۔

(جاری)

■

ماخذ: حاتم طائی کا قصہ، **مرتب**: نورالحسن نقوی،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کہکشاں

چمن چمن کے پھول

زندگی

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
میر

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
درد

یہی زندگی مصیبت، یہی زندگی مسرت
یہی زندگی حقیقت، یہی زندگانی فسانہ
جذبی

ہر قدم پر مشکلیں ہیں ہر قدم پر حادثے
مختصر الفاظ میں اک امتحاں ہے زندگی
عرش صہبائی

یا بڑھاپا ہے یا جوانی ہے
عمر دو بول کی کہانی ہے
جلیل مانکپوری

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گنوایا
تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی
جو اب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا
تو بس یہ سمجھ زندگانی گنوائی
مجذوب

موت کا بھی علاج ہو شاید
زندگی کا کوئی علاج نہیں
فراق

زندگی کی دوسری کروٹ بھی موت
زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی
فانی

موت ہی انسان کی دشمن نہیں
زندگی بھی جان لے کر جائے گی
جوش

اگر ممکن ہو تو سو سو جتن ہے
عزیزو! کاٹ لو یہ زندگی ہے
فراق

گُر زندگی کے سیکھو کھلتی ہوئی کلی ہے
لب پر ہے مسکراہٹ دل خون ہو رہا ہے
فراق

زندگی سے ہم رہے ناآشنا
سانس گو آتی رہی جاتی رہی
موت اک حادثہ سہی لیکن
زندگانی بھی اس سے کم نہیں
نامعلوم

■ شیخ عظمیٰ حنیف

اچھی باتیں

(1) کھانے کا گرا ہوا ٹکڑا دسترخوان سے اٹھا کر کھانا اولاد میں خوب صورتی اور رزق میں برکت لاتا ہے، ساتھ ہی تکبر کو ختم کرتا ہے۔

(2) تمھارا ایک ہی رب ہے پھر بھی تم اُسے یاد نہیں کرتے لیکن اُس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی وہ تم کو نہیں بھولتا۔

(3) کسی کی مدد کرتے وقت اس کے چہرے کی جانب مت دیکھو ہوسکتا ہے اس کی شرمندہ آنکھیں تمھارے دل میں غرور کا بیج بو دیں۔

(4) ایک آدمی نے ایک بزرگ سے پوچھا: کہ جب ہماری قسمت پہلے سے لکھی ہوئی ہے تو ہمیں دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ بزرگ نے جواب دیا: ہوسکتا ہے کہ تیری قسمت میں یہی لکھا ہو کہ جب تو مانگے تو تجھے ملے گا۔

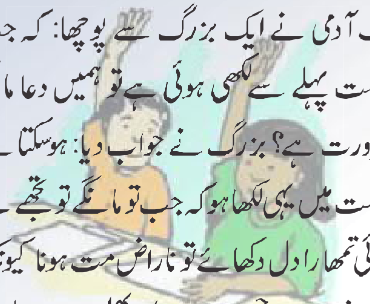

(5) کوئی تمھارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا کیونکہ قدرت کا قانون ہے جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔

(6) انسان کا نقصان مال اور جان کا چلا جانا نہیں بلکہ انسان کا سب سے بڑا نقصان کسی کی نظر سے گر جانا ہے۔

(7) زندگی کو ضرورت میں رکھو خواہشات کی طرف نہ لے جاؤ۔ ضرورت فقیروں کی بھی پوری ہوتی ہے اور خواہش بادشاہوں کی بھی باقی رہ جاتی ہے۔

(8) لوگوں کو اُسی طرح معاف کرو جیسے تم خدا سے اُمید رکھتے ہو کہ وہ تمھیں معاف کرے گا۔

(9) جب تمھارے دل میں کسی کے لیے نفرت پیدا ہونے لگے تو اس کی اچھائیوں کو یاد کرو۔

(10) کسی کو نصیحت کرو لیکن اس طرح کہ وہ تمھاری بات مان لے، نہ کہ تمھارا دشمن ہو جائے۔

■

Shaikh Uzma Haneef
(Class: X, Anglo Urdu High School)
Ali Saheb Mohalla,
Nandurbar-425412 (Maharashtra)

علم و دولت

■ محمد ثاقب منیار

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا علم بہتر چیز ہے یا دولت۔
آپؓ نے فرمایا: علم دولت سے بہتر ہے۔

* اس لیے کہ دولت قارون وفرعون کو ملتی ہے اور علم پیغمبروں کو ملتا ہے۔
* انسان کو دولت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ جبکہ علم تمھاری حفاظت کرتا ہے۔
* دولت اگر تقسیم کی جائے تو کم ہو جاتی ہے اور علم بانٹا جائے تو بڑھ جاتا ہے۔
* دولت جس کے پاس ہو اس کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں اور جس کے پاس علم ہو اس کے بہت سے دوست ہوتے ہیں۔
* دولت مند بخیل ہوتا ہے اور علم والا سخی ہوتا ہے۔
* دولت کو چور چرا سکتا ہے۔ علم کو کوئی چرا نہیں سکتا
* دولت کی حد ہوتی ہے، لیکن علم کی کوئی حد نہیں ہوتی۔
* جو شخص علم کی تلاش میں نکلے اس وقت تک خدا کی راہ میں ہے جب تک گھر واپس نہ آجائے۔

■

Mohd Saquib Maniyar
Sofi Shwk, Badegaon,
Distt: Akola (Maharashtra)

■ طربیہ حیات

انمول باتیں

- خدا کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔
- دین کی دعوت دینے والے کا ثواب اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی نامہ اعمال میں درج ہوتا رہتا ہے۔
- ناپ تول میں جس نے ایمانداری کی اس نے بڑی جزا پائی۔
- حیا (شرم) عورت کا زیور ہے۔
- تقدیر دعاؤں سے بدل جاتی ہے اور عمر نیکیوں سے بڑھ جاتی ہے۔
- غرور اللہ کو سخت ناپسند ہے۔
- بیماری کو پریشانی مت سمجھو۔
- غریب اور مسکین کی مدد کرنا عمدہ نیکی ہے۔
- اپنی زبانوں کی حفاظت کرنے والے جنت کے وارث ہیں۔
- ماں باپ کی خدمت میں ہی عافیت ہے۔
- پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو:
  (1) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
  (2) صحت کو مرض سے پہلے
  (3) دولت کو غربت سے پہلے
  (4) فراغت کو مشغولیت سے پہلے
  (5) زندگی کو موت سے پہلے

■

Tarbiya Hayat
Mau, (UP)

■ محمد نذیر یوسف

کیا آپ جانتے ہیں؟

- امن کا نوبیل انعام حاصل کرنے والے مشہور سیاست داں انور سادات مصر کے صدر تھے۔
- پورکیو پائن نامی لکڑی ناریل کے درخت سے حاصل کی جاتی ہے۔
- سری لنکا کا پرانا نام سیلون تھا۔
- چین میں یووان خاندان کی حکومت کا بانی قبلائی خان تھا۔
- محمد قلی قطب شاہ نے 'بھاگ نگر' نامی شہر بسایا تھا، آج ہم اسے 'حیدرآباد' کے نام سے جانتے ہیں۔
- 1666 میں زبردست آگ لگنے کے سبب لندن شہر تقریباً تباہ ہوگیا تھا۔
- کچھوا ایک ایسا جانور ہے جس کے دانت نہیں ہوتے مگر کاٹتا ہے، کان نہیں ہوتے مگر سنتا ہے۔
- کچھوا پانی میں 22 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تیر سکتا ہے۔
- دنیا کی سب سے بڑی گھڑی بگسا بین لندن میں ہے۔
- دنیا کے 30 فی صد رقبہ پر پھیلا ہوا سب سے بڑا براعظم ایشیا ہے۔
- دیوار چین 'ہوانگ' بادشاہ نے تعمیر کرائی۔
- شہنشاہ اکبر کے دربار میں دو ایرانی شخصیات میر سید علی اور خواجہ عبدالصمد مصوری شعبے کے ممتاز فنکار تھے۔

■

Mohd Nazeer Yousuf
174, Gandhi Nagar
Malegaon, Nasik - 423203 (Maharashtra)

سعدیہ صدف

پہیلیاں

(ماہیا کی ہیئت میں)

(1)

کب سامنے آتا ہے
غیب سے وہ، لیکن
دیتا ہے، دلاتا ہے

(2)

بتیس میں اکیلی ہے
بوجھ کے دکھلاؤ
آسان پہیلی ہے

(3)

بن تیل کے جلتا ہے
کانچ بدن اس کا
کب یار! پگھلتا ہے

(4)

اُڑ اُڑ کے دمکتے ہیں
برق بنا ہی وہ
راتوں کو چمکتے ہیں

(5)

یہ چیز بتا کیا ہے
لال ہے اندر سے
اوپر سے ہرا سا ہے

(6)

پابند دشاؤں میں
وزن اٹھا کر بھی
اُڑتے ہیں فضاؤں میں

(7)

بھیجے کی جگہ دیکھو
کھوپڑی میں اُس کی
پانی ہے بھرا دیکھو

(8)

پورب سے اُبھرتا ہے
کون ہے وہ جو پھر
پچھّم میں اُترتا ہے

■

Sadia Sadaf
67, Maulana Shaukat Ali Street,
(Colootola St.)
Kolkata - 700073 (West Bengal)

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

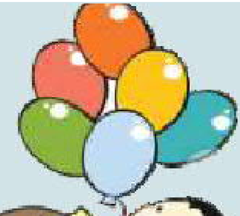

ادبی لطائف

ہنسی کے غبارے

طلبا کی طرف دادطلب نگاہوں سے دیکھا تو ان کی اس نازک خیالی پر ایک مصرعہ کسی نے داد کے طور پر اٹھایا ''فاصلہ کتنا ہے جھنجھانے سے فدیانے تک؟'' اور پھر تو قافیوں کا طومار لگ گیا، کریانے تک، فرمانے تک، گھر جانے تک، بہکانے تک، اس بدتمیزی پر کالج کے ایک استاد جو طلبا کو بات بات پر جرمانہ کرنے میں بہت مشہور تھے، کھڑے ہوئے اور ابھی ڈانٹ بھی نہ پائے تھے کہ ایک طرف سے زنانے کا مصرعہ آیا ''لیجیے بات چلی آئی ہے جرمانے تک'' اور سارا ہال قہقہہ زار بن گیا۔

کہا جاتا ہے کہ خدائے سخن میر تقی میر کے عہد میں ایک صاحب نہایت بکواس قسم کی شاعری کرتے تھے لیکن بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ میر کی محفل میں شریک ہوکر کہتے میر صاحب سنیے یہ میرا تازہ کلام، میر صاحب کو ان کی جرأت رندانہ پر بڑا طیش آجاتا لیکن اخلاق و مروت کی بنا پر چپ ہوجاتے۔ یہ صاحب ایک لمبے عرصے تک غائب رہے اور ایک دن پھر میر صاحب کی محفل میں آدھمکے اور کہا کہ میر صاحب! شاید آپ کو پتہ نہیں میں حج بیت اللہ کے لیے حجاز گیا تھا اور جاتے ہوئے اپنی بیاض بھی ساتھ لے گیا تھا۔ بعد طواف میں نے اس کو حجر اسود سے رگڑا تاکہ میرے کلام میں تاثیر ہو۔ یہ سنتے ہی میر صاحب کو طیش آگیا اور پھر ان کو مخاطب کرکے کہا ''دیکھیے آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی کہ اپنے بیاض کو تین مرتبہ حجر اسود سے رگڑا۔ اگر ایک ہی دفعہ آب زم زم سے دھو لیتے تو آپ کا اور آپ کے کلام کا قصہ پاک ہوجاتا۔

ایک محفل میں مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خان حاضر تھے۔ مولانا آزاد کو پیاس محسوس ہوئی تو ایک بزرگ جلدی سے پانی کا پیالہ لے آئے۔ مولانا آزاد نے ہنس کر ارشاد کیا:

لے کے اک پیرِ مغاں ہاتھ میں مینا، آیا

مولانا ظفر علی خان نے برجستہ دوسرا مصرع کہا:

مے کشو! شرم، کہ اس پر بھی نہ پینا آیا

دہلی کے ایک ہند و پاک مشاعرے میں عبدالحمید عدم پنڈت ہری چند اختر کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے اور پوچھنے لگے: ''پنڈت جی مجھے پہچانا؟ میں عدم ہوں۔''

اختر نے عدم کا موٹا تازہ جسم دیکھتے ہوئے مسکرا کر اپنے مخصوص انداز میں کہا: ''اگر یہی عدم ہے تو وجود کیا ہوگا۔''

مصباح رشید

علم کی دھار تیز کرو

بہت پرانی بات ہے۔ جے پور شہر میں ایک لکڑی کا کارخانہ تھا۔ وہاں پر لکڑی سے بنی ہوئی مختلف خوب صورت اشیاء بنائی جاتی تھی۔ اس کارخانہ میں انور نام کا ایک لکڑ ہارا کام کرتا تھا۔ یہاں کام کرتے ہوئے اُسے پانچ سال ہوگئے۔ پر ان پانچ سالوں میں کبھی نہ تنخواہ بڑھی اور نہ ہی اُسے ترقی ملی۔

ایک دن اسی کارخانے میں کام کی تلاش میں ایک اور لکڑ ہارا آیا۔ کارخانہ میں اُسے بھی نوکری مل گئی۔ اُس کا نام علی تھا۔ ایک سال کے اندر اندر علی کو ترقی بھی مل گئی اور تنخواہ بھی بڑھ گئی۔ انور نے علی کو ایک سال میں ہی ترقی دیے جانے پر اعتراض کیا۔ یہ بات اس نے اپنے افسر سے کہی کہ مجھے اس کارخانے میں پانچ سال ہوگئے۔ امیر علی کو آتے ہی ایک سال کے اندر ترقی مل گئی اور تنخواہ بھی بڑھا دی گئی اور مجھے وہی پہلے جتنی تنخواہ۔ افسر نے جواب دیا تم آج بھی اتنے ہی پیڑ کاٹ رہے ہو جتنے پانچ سال پہلے کاٹا کرتے تھے۔ ہمارے کارخانے میں نتیجے دیکھے جاتے ہیں اگر تم زیادہ پیڑ کاٹو تو تمھیں ترقی دے کر ہمیں خوشی ہوگی۔ انور واپس لوٹ آیا۔ اس کے بعد اس نے اور زیادہ محنت اور دیر تک پیڑ کاٹنا شروع کر دیا۔ اس کے باوجود وہ زیادہ پیڑ نہیں کاٹ سکا۔ اپنی یہ پریشانی اس نے اپنے افسر کو بتائی۔ افسر نے کہا تم علی سے بات کرو۔ ہوسکتا ہے علی وہ بات جانتا ہو جو تم اور میں نہیں جانتے۔ انور نے جا کر علی سے بات کی تم اتنے زیادہ پیڑ کس طرح کاٹ لیتے ہو۔ علی نے جواب دیا میں ہر پیڑ کاٹنے کے بعد دو منٹ کے لیے کام روک دیتا ہوں اور اپنی کلہاڑی کی دھار تیز کرتا ہوں۔ بات انور کی سمجھ میں آئی اگر ترقی کرنی ہے تو اوزار تیز چاہیے۔

پیارے بچو یہی اصول ہماری زندگی پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اگر ہمیں ترقی کرنی ہے تو اپنے علم کی دھار کو مسلسل تیز کرتے رہنا ہوگا۔ پرانی تعلیم اور مہارت کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی۔ ہمیں مسلسل علم حاصل کرتے رہنا ہوگا۔ اپنا وقت فضول کی فلموں، گانوں اور کارٹون دیکھ کر برباد کرنے کی بجائے علم وفن حاصل کرنے میں لگانا ہوگا۔ اپنے علم کی دھار کو مسلسل تیز کرتے رہنا ہوگا۔

■

Shahla Misbah Rasheed
Viarsa, Distt.: Garh Cheroli, (Maharashtra)

سحر اسعد

حقیقی خوشی

''بیٹا! ایک روپیہ دے دو.....''

ثمن نے مڑ کر دیکھا تو فقیر آج پھر اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب وہ اسکول کے لیے نکلتی تو راستے میں وہ بوڑھا فقیر نظر آ جاتا تھا۔ لیکن وہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی۔ اور آج پھر وہ اس سے ایک روپے کا سوال کر رہا تھا مگر وہ جھنجلا کر آگے بڑھ گئی۔

اسلامیات کا پیریڈ تھا۔ مس شازیہ بہت ہی اچھا پڑھاتی تھیں۔ آج بھی وہ بچوں کو سبق بہت اچھے طرح سے سمجھا رہی تھیں۔ سبق کا موضوع تھا: ''غریبوں کی مدد'' اور وہ بچوں کو اسی موضوع پر بتلا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں: ''غریبوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں غربت ہاتھ پھیلانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہمیں ایسے لوگوں کو سہارا دینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ محنت کر کے اپنی روزی کمائیں۔ اگر ہمارے چند پیسوں سے کسی غریب کا پیٹ بھر جائے تو اس سے بڑی خوشی اور کیا ہو سکتی ہے۔''

سب بچیاں نہایت غور سے ان کی باتیں سن رہیں تھیں۔ اچانک ثمن کو وہ بوڑھا فقیر یاد آ گیا جو روزانہ اس سے چند پیسوں کا سوال کرتا تھا۔ اس نے اندر ہی اندر ایک عزم کر لیا۔

کلاس ٹیچر مس ماریہ نے سب بچوں سے فیس طلب کی۔ باری باری سب نے اپنی فیس جمع کر دی ردا کی باری آئی تو خاموشی سے کھڑی رہی۔ ''ردا آپ کی فیس کہاں ہے.....؟'' میڈم کی تیز آواز سے ساری لڑکیاں سہم گئیں۔ ''کل فیس جمع کرنے کی آخری تاریخ ہے۔ اور اگر کل تمہاری فیس جمع نہ ہوئی تو تمہارا نام اسکول سے خارج کر دیا جائے گا۔'' میڈم نے اس کو تنبیہ کی۔ ثمن نے ردا کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھ میں آنسو تھے۔ ثمن کا دل تڑپ اٹھا۔

ردا جب گھر میں داخل ہوئی تو اس کی امی سلائی مشین پر بیٹھی سلائی کر رہی تھیں۔ انھوں نے محسوس کیا کہ ردا جب سے اسکول سے آئی ہے کچھ خاموش سی ہے۔ انھوں نے ردا کو اپنے پاس بلایا اور اسے پوچھا کہ کیا بات ہے ردا جب سے تم اسکول

سے آئی ہو اداس سی لگ رہی ہو۔ اسکول میں کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟ ''نہیں امی! وہ ....'' اس نے ہچکیوں میں روتے ہوئے ساری بات بتائی۔ جسے سن کر اس کی امی بھی پریشان ہوگئیں۔ کیونکہ انھیں اس سال عید پر ردا کے نئے سینڈل خریدنے تھے جس کے لیے وہ پیسے جوڑ رہی تھیں۔ اس کے پاس ایک ہی

اسکول کا جوتا تھا جو تقریباً پھٹ چکا تھا۔ پھر انھوں نے ایک فیصلہ کرلیا۔ ''دیکھو ردا!...تم نئے جوتے چاہتی ہو یا پھر اسکول جانا۔'' ''کیا مطلب امی! میں کچھ سمجھی نہیں۔'' وہ ناسمجھی کی کیفیت میں بولی۔ ''میرا مطلب ہے کہ اگر تم اس بار عید پر نئے جوتے نہ خرید کر ان پیسوں سے اپنی فیس جمع کر دو تو.....'' ردا نے تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد ہامی بھر لی کیونکہ اسے نئے جوتوں سے زیادہ اپنی تعلیم پیاری تھی۔

کمرے میں فل اسپیڈ سے پنکھا چل رہا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ثمن کو بے حد پسینہ آ رہا تھا۔ بار بار اسے کانوں میں ماریہ میڈم کی آوازیں گونج رہیں تھیں۔ ردا کے آنسو اسے سونے نہیں دے رہے تھے۔ وہ ردا کے گھر کے حالات جانتی تھی اور سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں ردا فیس جمع کر پائے گی بھی یا نہیں۔ تب اسے اچانک شازیہ میڈم کی باتیں یاد آئیں۔ وہ فوراً اٹھی اور اپنی تجوری میں سے پیسے نکال کر گنے۔ اور اپنی مطلوبہ رقم نکال کر اپنے اسکول بیگ میں ڈال کر مطمئن ہوگئی۔

اگلے دن اسکول میں اسمبلی سے پہلے اس نے ردا کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ ثمن سے رہا نہ گیا وہ اس کے پاس پہنچی اور اس سے فیس کی بابت معلوم کیا۔ ردا پہلے تو ٹال مٹول کرتی رہی پھر اس نے بتایا کہ اس نے نئے جوتوں کے پیسے فیس کے لیے نکال لیے ہیں۔ یہ سن کر ثمن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ''ردا! تم عید پر نئے سینڈل ضرور خریدنا..... جو پیسے تمہاری امی نے جوڑ رکھے ہیں انھیں ان کے پاس ہی رہنے دو۔'' اور ساتھ ہی اپنے بیگ سے پیسے نکال کر اس کی دیتے ہوئے کہا: ''میری طرف سے تمھیں یہ تحفہ.....ان پیسوں سے اپنے اسکول کی فیس جمع کرنا۔'' اور پھر ثمن نے دیکھا ردا کے چہرے پر چھائی ہوئی اداسی ایک دم خوشی میں بدل گئی تھی اور اس کے آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ ثمن نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگالیا۔

اسکول سے واپسی پر اس نے فقیر بابا کو دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ معمول کے مطابق اس نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ لیکن آج ثمن نے اس کے ہاتھ کو خالی نہیں لوٹایا۔ اور ایک نوٹ فقیر کی طرف بڑھایا۔ فقیر پہلے تو حیران ہوا۔ پھر خوش ہوکر اسے دعا دی۔ ثمن کو ایسا لگا کہ جیسے اسے دو خوشیاں ایک ساتھ مل گئیں۔ اور اس کے قدم گھر کی جانب بڑھ گئے۔

■

Sahar Asad Asad Aazmi
B-18/1, G Salfia Marg, Reori Talab
Varanasi - 221010 (UP)

والد: ایک نعمت

اگرچہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے تو باپ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے۔ ماں کی خدمت کرکے جنت تو حاصل کرلوگے لیکن دروازہ کی ہی قدر نہ کروگے تو کیا فائدہ؟

پپّا بولتے کہ ماں کی محبت دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ باپ کی محبت صرف محسوس کی جاسکتی ہے یا کی جاتی ہے اور سچ بھی ہے۔ والد کی محبت دِکھتی نہیں۔ چونکہ وہ گھر کے ذمے دار ہوتے ہیں اس لیے سخت رویہ اپنانا ان کے لیے ضروری ہے تا کہ گھر میں نظم وضبط Descipline برقرار رہے۔ ان کا ہر فیصلہ ہماری بہتری کے لیے ہی ہوتا ہے۔

والد جو محبت اپنے بچوں سے کرتے ہیں اس کی ذرّہ برابر بھی محبت ہمیں کوئی اور نہیں دے سکتا۔ نہ چاچا، ماموں اور نہ ہی ہمارا اپنا بھائی جس سے ہمارا خون کا رشتہ ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس آپ کے والد کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے تب بھی آپ سے زیادہ امیر اور دولت مند انسان کوئی اور نہیں ہے۔ اسی کے برخلاف اگر آپ کے پاس دنیا بھر کے عیش وآرام کے ذرائع ہیں اور دولت ہے لیکن افسوس کہ آپ کے پاس ابو نہیں ہیں تو آپ سے زیادہ غریب بھی کوئی نہیں ہے۔ دولت تو پھر بھی کمائی جاسکتی ہے پر باپ کا پیار حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

میرے پپا لیاقت اللہ خاں دنیا کے سب سے اچھے اور بہترین پپا ہیں۔ وہ پپا جو میری ہر ضد پوری کرتے تھے۔ آج تو میں ضد کرنا بھی بھول گئی ہوں۔ پر وہ وقتاً فوقتاً مجھے روکتے، ٹوکتے اور ڈانٹتے بھی تھے جو میرے لیے ضروری بھی تھا۔ وہ پپا جو مجھ سے اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے میری ہر خوشی سے خوش ہوتے تھے۔ میری چوٹ اور تکلیف کو محسوس کرتے تھے۔ میری پسند اور ناپسند کا سب سے زیادہ ممی سے بھی زیادہ خیال رکھتے تھے۔ امتحان ہوتے تو مانو وہ میرے نہ ہو کر ابو کے ہی ہوتے۔ جب میں جاگتی دیر رات تک جاگتی تو وہ بھی سو نہیں پاتے تھے۔ مجھ سے زیادہ وہ میرے Result کو لے کر Confident رہتے تھے۔

لیکن افسوس میرے چہیتے پپا آج میرے ساتھ نہیں ہیں۔ 29 جنوری 2015 کو وہ اس دنیا کو اور ہم سب کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔

یہ سچ ہے کہ ہمیں ہمارے اپنوں سے دور جانے کے بعد ہی ان کی اہمیت کا، ان کے وجود کا اور ان کے کھونے کا احساس ہوتا ہے۔ جو حق ہم بچوں کا ہمارے والد پر ہوتا ہے شاید وہ حق بھائی پر بھی نہیں ہوتا۔ میں بھی ہر بچہ کی طرح اپنے ابو سے بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ یہ بات وہ جانتے تھے کیونکہ میں ان کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتی تھی۔ لیکن باوجود اس کے میں ان سے کہنا چاہتی تھی کہ "پپا آپ دنیا کے سب سے اچھے اور بہترین والد ہیں۔"

you are the best pappa in the world and I really love you very much.

پر اپنی اور ان کی مصروفیات کی وجہ سے کبھی کہہ ہی نہیں پائی یا پھر شاید مناسب وقت کا انتظار کرتی رہ گئی۔ صحیح وقت تو آیا نہیں پر اب وہ وقت ہی رہا نہیں۔ ہر کوئی اپنے والدین سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اگر آپ بھی میری طرح اپنے پپا سے بہت سارا پیار کرتے ہیں تو ابھی اسی وقت بول دیجیے کہ:

Pappa you are the best father in the world.

انھیں اچھا لگے گا اور آپ کو بھی...

میں نے کبھی بھی اپنی زندگی میں سوچا نہیں تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جب ابو ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ حالانکہ نظامِ قدرت سے میں بخوبی واقف تھی۔ پر شاید میں اسے اپنی ذاتی زندگی کے لیے کبھی سمجھ ہی نہیں پائی۔ لیکن جب بھی پپا مجھے گلے لگاتے تھے تو میری آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے تھے۔ میں نہیں سمجھ پاتی تھی کہ ایسا کیوں؟ پر میں رونے لگتی تھی اور ابو بولتے تھے کہ "میری فاطمہ بیٹی پاگل ہے۔" آج سمجھ میں آتا شاید اسی لیے روتی تھی۔

صحیح وقت کا انتظار مت کرو۔ جو وقت ہے اسی کو جی لو اور یادگار بنالو۔ شاید اسی میں عقل مندی ہے۔

■

Fatemunnisa D/o Liyaqatullah Khan
Shah Clonony, Umarkhed, Tq: Umarkhed
Distt.: Yavatmal - 445206 (Maharashtra)

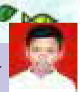

سید توصیف سید آصف، درجہ: ہشتم (الف) ضلع پریشد اردو اسکول، آکولہ، مہاراشٹر

سید حماد احمد، درجہ: ششم، سلیمانیہ اردو پرائمری اسکول، ضلع لاتور، مہاراشٹر

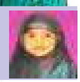

انشراح ایمن محمد عقیل، درجہ ششم
الفرقان اردو مڈل اسکول، جدگاؤں، ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

تمنا پروین بنت اعجاز خان، درجہ: ششم، مہانگر پالیکا اردو مڈل اسکول نمبر 7، نائیگاؤں اکولہ، مہاراشٹر

بشریٰ ناز شیخ رئیس، جماعت: ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، مہاراشٹر

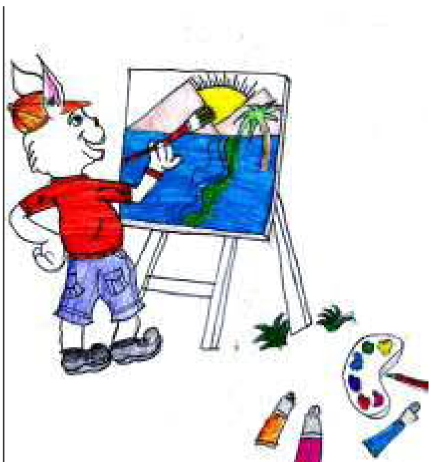

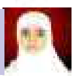

سمیہ پروین، درجہ: ہفتم (الف)
ضلع پریشد اردو اسکول شبوتی آکولہ، مہاراشٹر

شیخ مزمل، درجہ: پنجم، الفاران اسکول، جلگاؤں، بلڈانہ، مہاراشٹر

مناز شیخ مظفر، جماعت: ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول سبھاش نگر، تعلق شیر پور، مہاراشٹر

ثوبیہ شیخ اشفاق، درجہ: ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیر پور، مہاراشٹر

افروز بی فیروز خان، درجہ: 7
نگر پالیکا اردو اسکول نمبر 24، بھساول، مہاراشٹر

رانی افضل لوہار، درجہ: ہشتم، زیڈ پی اردو اسکول، سبھاش نگر، شیر پور، مہاراشٹر

شیخ عبدالرحیم عبدالعظیم، درجہ: ہشتم، الہدیٰ اردو اسکول، بھوکردن ضلع جالنہ، مہاراشٹر

Facebook اردو فیس بک

’بچوں کی دنیا‘ بہت ہی بہترین رسالہ ہے۔ میں اور میری کلاس کے سبھی اسٹوڈنٹ اور کلاس میٹ اس میگزین کا ہر ماہ مطالعہ کرتے ہیں۔ بڑی خوشی ہوتی ہے۔

یسریٰ، جامعہ پرائمری اسکول، اکل کوا، ضلع نندوبار (مہاراشٹر)

میں ہر مہینے ’بچوں کی دنیا‘ کا مطالعہ کرتی ہوں۔ کہنے کو تو یہ بچوں کی دنیا ہے مگر بڑے بوڑھے سبھی اس دنیا کی سیر پسند کرتے ہیں۔ ہم تین بہنیں ہیں اور ہم میں ہر مہینے بچوں کی دنیا کو سب سے پہلے پڑھنے کے لیے لڑائی ہوتی ہے۔ میں اکثر کتاب ہاتھ آتے ہی اسے چھپا دیتی ہوں اور پھر ان سے چھپ کر پڑھتی ہوں۔ یہ شوق اور جنون سب آپ کی محنت اور لگن کا نتیجہ ہے۔

* آپ لڑائی نہ کریں اور سب مل کر پڑھا کریں۔ (ادارہ)

شیخ عظمیٰ حنیف، جماعت دہم، اینگلو اردو ہائی اسکول، نندوبار، مہاراشٹر

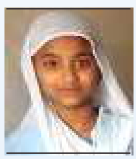

مجھے اور میری کلاس کے بچوں کو ’بچوں کی دنیا‘ پڑھنا بہت پسند ہے۔ ہم ہر ماہ اس کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں اس کی خوب صورت تصویریں، مزے دار کہانیاں، نظمیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ فیس بک، ننھے قلم کار ہمیں بہت متاثر کرتے ہیں۔

مسکان بی شیخ رفیق، جماعت ہفتم: گورنمنٹ اردو اسکول، ضلع: برہان پور، (مدھیہ پردیش)

میں ’بچوں کی دنیا‘ ہر ماہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہوں۔

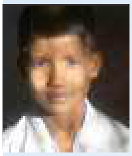

ہمارے سر ہمیں یہ رسالہ برہان پور شہر سے لاکر دیتے ہیں۔ اس رسالے کی وجہ سے ہمارے گاؤں میں اردو زبان کی بہت قدر ہونے لگی ہے۔ ہمارے سر اردو کی ترقی کے لیے بہت محنت کرتے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے آج ہم یہ رسالہ پڑھ رہے ہیں۔

سید مزمل سید کلیم، جماعت پنجم: گورنمنٹ اردو اسکول، ضلع: برہان پور، (مدھیہ پردیش)

میرا نام نرگس بنت سید احمد ہے۔ میں ساتویں کلاس کی طالبہ ہوں۔ ’بچوں کی دنیا‘ بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس کی نظموں کو بار بار پڑھ کر بھی دل نہیں بھرتا۔ یہ بچوں کے لیے واقعی بہت مفید ہے۔

نرگس بی، گورنمنٹ اردو اسکول، شاہ پور، ضلع: برہان پور، (مدھیہ پردیش)

السلام علیکم! میں جامعہ رحمانیہ بنارس کے شعبۂ عربی میں پڑھتی ہوں۔ اردو کتب کا مطالعہ کرنا میرا پسندیدہ شوق ہے نیز میں اخبار اور رسائل بھی پڑھتی ہوں۔ میرے گھر میں مطالعہ کا کافی رجحان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے گھر میں میرے ابو، امی، بھائی، بہن سب ہی مطالعہ کے شیدائی ہیں۔ ’بچوں کی دنیا‘ میرے پسندیدہ رسائل میں سے ہے۔ یہ ہر ماہ ہمارے گھر آتا ہے اور نہایت شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

سحر اسعد، ریوڑی تالاب، وارانسی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

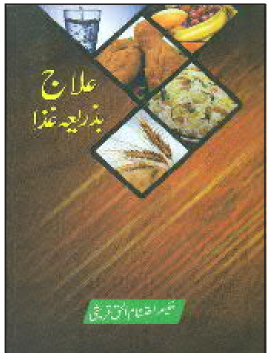

صفحات:415، قیمت: 185 روپے

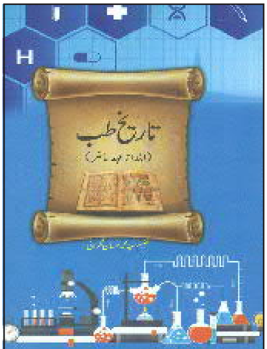

صفحات:496، قیمت:220 روپے

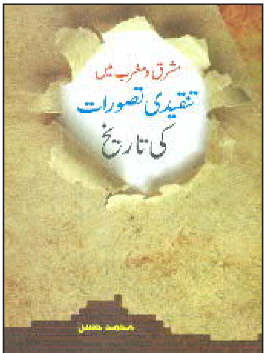

صفحات: 373، قیمت: 168 روپے

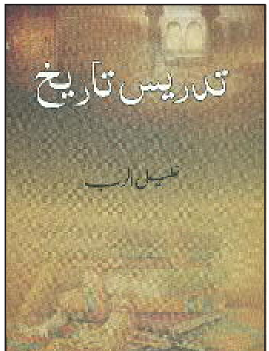

صفحات:272، قیمت:110 روپے

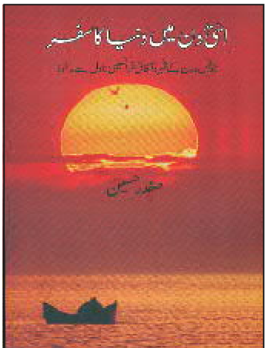

صفحات:170، قیمت:35 روپے

صفحات: 82، قیمت 35 روپے

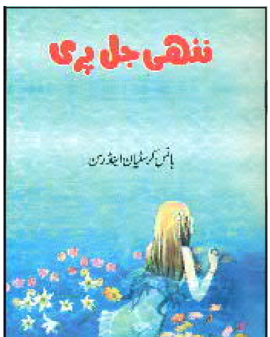

صفحات:33، قیمت:16 روپے

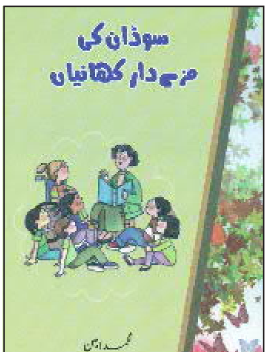

صفحات:61، قیمت:20 روپے

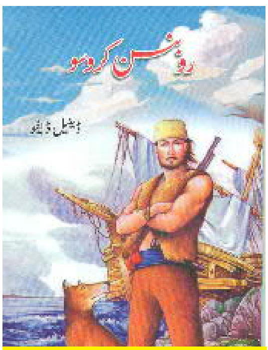

صفحات:80، قیمت:20 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, November 2016, Vol. 04, Issue: 11
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/10/16
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

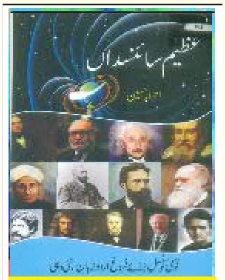

صفحات: 63، قیمت: 16 روپے

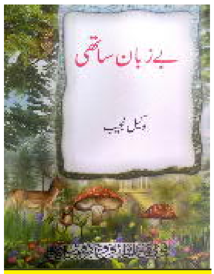

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

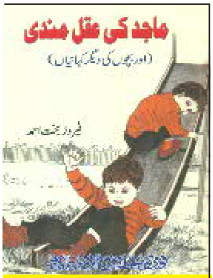

صفحات: 149، قیمت: 24 روپے

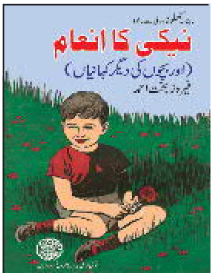

صفحات: 48، قیمت: 16 روپے

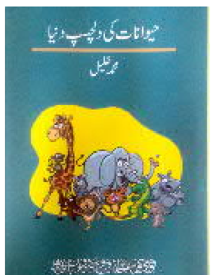

صفحات: 83، قیمت: 24 روپے

صفحات: 41، قیمت: 20 روپے

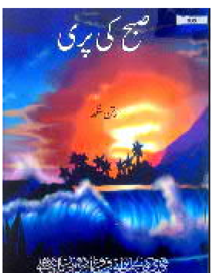

صفحات: 33، قیمت: 16 روپے

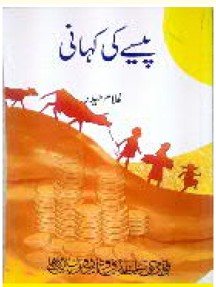

صفحات: 80، قیمت: 22 روپے

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.